

پانچواں اور آخری حصہ

عقاب آب

زویا صفوان

عہد کوئی بھی ہو... جب جب
طاقت اور گھمنڈ کی بساط بچھی...
تو ظلم سے نجات کے لیے نچلی سطح
سے بغاوت نے جنم لیا اور پھر بڑی بڑی
سازشوں کے پردے چاک ہوتے چلے گئے...
کہ یہی دستور ہے دنیا کا اور موسم کے بدلاؤ
میں بھی یہی سبق پوشیدہ ہے۔ یہ اور بات کہ
انسان سمجھ کر بھی نظر انداز کر دے مگر... اس
دور کے انسانوں نے نظر انداز کرنے کی غلطی کے
بجائے نظروں میں قید کر لینے کی عقل مندی
کر ڈالی... لہذا پھر کیسے ظلم کی رستی نہ کنتی اور
بغاوت کے پیروں تلے ظالم کیسے نہ روندے جاتے... یہی تو
کمال ہے درست وقت کے درست فیصلے کرنے کا... اور انہوں
نے جو فیصلے کیا شاید اس وقت کا یہی تقاضا بھی تھا۔

ماضی کا آئینہ۔ با اختیار اور بے اختیار انسانوں کے عبرت اشرافات



”اس سے زیادہ برا اور کیا ہو سکتا ہے؟“ وہ نقاہت سے بولا۔

اسے یقین ہو گیا تھا کہ چارلس کی شکم سیری اور کم ظرفی اسے کبھی ان کی تکلیف و اذیت کا اندازہ نہیں ہونے دے گی۔ وہ تاسف سے سر ہلاتا ہوا واپس چلا آیا۔ مسلسل فاقوں کی نقاہت سے اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ اس کے جاتے ہی ڈور یا بھی محاذ کا جائزہ لے کر وہاں پہنچ گیا۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ سپاہیوں کی بُری حالت اور کسمپرسی دیکھ کر اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کیفیت میں وہ مزید ایک روز بھی وہاں مقیم رہے تو جنگ کے قابل رہیں گے نہ ہی واپسی کا سفر طے کرنے کے اہل۔

اس کے ان خدشات سے آگاہی کے بعد کورٹز کے چہرے پر حقارت جھلکنے لگی۔ وہ ایک بار پھر یہ جتانے سے باز نہ آ سکا کہ ڈور یا قسمت کی یادری یا سیاسی جوڑ توڑ سے ہی اس مقام تک پہنچا ہوگا۔ بصورت دیگر اس کا رویہ اور ذہنی ناچنگی کسی صورت بھی اس عہدے کی اہل نہیں ہے۔ وہ آغاز سفر سے ہی منحوس زبان استعمال کر رہا ہے۔

ڈور یا یہ سنتے ہی تاؤ میں آ گیا۔ اس نے اپنے تاثرات پر یہ مشکل قابو پاتے ہوئے کورٹز کو نظر انداز کیا اور چارلس کی جانب متوجہ ہو کر کہنے لگا۔

”شہنشاہ معظم! میں کورٹز کے حق میں اپنے عہدے سے دستبردار ہوتا ہوں۔ ان حالات میں بہتر یہی ہے کہ یہ عہدہ کورٹز سنبھال لے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ مجھ سے کہیں زیادہ بہتر انداز میں بھوک پیاس سے نڈھال فوج کو لڑا سکے گا۔“

”میرا خیال ہے کہ خداوند کی مشاہی ہے کہ ہم جنگ جاری نہ رکھیں۔“ چارلس نے ایک لمحائی توقف کے بعد بوجھل انداز میں کہا۔

کورٹز، چارلس کی یاسیت پر جربز ہونے لگا تاہم وہ اس کے کسی بھی فیصلے پر انگلی اٹھانے کا مجاز نہیں تھا۔ چارلس نے فوری طور پر ساحل واپسی اور ”مصلحت اندیشانہ پسائی“ کا حکم دے دیا۔ فوج میں بھی بلا تاخیر اس بات کا اعلان کر دیا گیا۔ سپاہیوں نے سکھ کا سانس لیا۔ توہیں ’مجبلیقیں‘ خیمے اور اس نوعیت کا دوسرا سامان وہیں چھوڑ کر فوج نے محاصرہ اٹھایا اور ساحل کی جانب روانہ ہو گئے۔

ان کی روانگی بھی ایک عبرت ناک منظر تھی۔ جوتوں میں پانی بھرنے کے باعث تیز رفتاری سے سفر کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کی جانب سے مختلف اطراف سے حملوں نے یہ سفر دشوار تر کر دیا۔

چارلس انہی خیالات میں غرق تھا کہ جرمن فوج کا سپہ سالار اس کے پاس چلا آیا۔ وہ موجودہ حالات میں وسائل سے شدید محرومی، سامان رسد کی عدم فراہمی اور شہر کی فصیلوں سے مسلمانوں کی توپوں سے برسائے گئے گولہ بارود کے مہلک نتائج سے پریشان تھا۔ اسے ساحل سمندر سے وقتی پسائی ہی باعزت فیصلہ محسوس ہو رہی تھی۔ اس صورت میں انہیں ساحل تک پہنچنے کے لیے کم از کم پندرہ میل کی مسافت طے کرنا تھی۔ سپہ سالار کی یہ تجویز کورٹز کو سخت ناگوار گزری۔ وہ پسائی یا مہذب لفظوں میں جنگی حکمت عملی کے تحت واپسی کو قابلِ ہزیمت سمجھتا تھا۔ چارلس کو البتہ ’مجبلیقیں‘ توہیں‘ خیمے اور اسی قسم کا دیگر سامان لے کر پندرہ میل کی مسافت طے کرنے میں شدید تحفظات تھے۔ راستوں کی ناہمواری، نیلے، گڑھے، پہاڑی گڑھے، کیچڑ، موسلا دھار بارشیں اور ان سب سے بڑھ کر مسلمانوں کے متوقع حملے، پندرہ میل کا وہ فاصلہ یقیناً مہلک بنا دیتے۔

چارلس کی یہ منطق جان کر سپہ سالار رنج ہو گیا۔ ”ہم نہ جانے کتنے روز سے بھوک اور پیاس کی تکلیف برداشت کر رہے ہیں۔ اس صورت میں ہمارا دشمن بے آسانی ہم پر غالب آ جائے گا۔“

کورٹز نے ناگواری سے اسے دیکھا اور کہنے لگا۔ ”لیکن میں نے تو اکثر فوجیوں کو گھوڑے ذبح کر کے اپنی بھوک مٹاتے دیکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ سامان رسد کے بغیر سپاہی گھوڑوں سے اپنی بھوک مٹا سکتے ہیں۔“

”یہ خیال ذہن میں لاتے وقت اتنا بھی سوچ لیتے کہ سارے گھوڑے یونہی بھوک مٹانے کے لیے کھائے جاتے رہے تو جنگ میں کیا کریں گے؟ اگر واپسی اختیار کرنا پڑی تو ایسی صورت میں پیدل سفر کیسے طے ہوگا؟“ جرمن سپہ سالار نے جھنجھلا کر اسے جواب دیا۔

چارلس نے یہ بحث ختم کرنے کے لیے سپہ سالار کو کہا۔ ”تمہارے لیے فی الحال بہتر یہی ہے کہ مورچے سنبھال لو۔ سامان رسد کے بارے میں پھر کوئی فیصلہ کر لیا جائے گا۔“

”لیکن جناب! تاخیر کسی صورت مناسب نہیں ہے۔ اس معاملے کو فوراً جھٹکنا ہوگا۔“ سپہ سالار نے عاجز آ کر کہا۔ اس لمحے وہ بھی ڈور یا جیسی بے بسی اور جھنجھلاہٹ محسوس کر رہا تھا۔

”زبان سنبھال کر بات کرو ورنہ تیرا انجام بہت برا ہوگا۔“ چارلس طیش میں آیا۔

نیل و مرام واپسی کسی صورت گوارا نہیں تھی۔ ڈور یا ایک بار پھر سر پینے پر مجبور ہو گیا۔ وہ ہر بار ایک ہی بات دہراتے اور انہیں سمجھاتے ہوئے اب تھک چکا تھا تاہم ایک آخری وٹس کے تحت کہنے لگا۔

”آپ دونوں زمینی حقائق کو کیوں نظر انداز کر رہے ہیں؟ یہ حفاظت واپسی کی قدر سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ ابھی تو مسلمانوں نے صرف ایک ٹیلے کو ناموں کے قبرستان کا نام دیا ہے۔ یہی صورت حال برقرار رہی تو مجھے خدشہ ہے کہ یہ ملک اور شہر ہمارا قبرستان ثابت ہوگا۔ آپ یہ کیوں نہیں سمجھ رہے کہ اس موسم میں سامان رسد لینے کے لیے بارحلوٹا جانے کی ہامی کون بھرے گا؟ حسن آغا ہمارے کسی بھی جہاز کو یہاں سے نکلنے ہی نہیں دے گا۔ بالفرض محال وہ بھی موسم کی خرابی کا شکار ہو گئے اور کہیں رک کر موسم میں بہتری کا انتظار کرنے لگے تو مئی سے پہلے کسی صورت بھی ہم تک نہ پہنچ سکیں گے۔ اس وقت تک ہم یہاں بیٹھے آخر کیا کریں گے؟ میں خلیج ٹیمینڈ فاسٹ سے یہاں تک براستہ خشکی ہی پہنچ سکا ہوں۔ سمندری سفر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ وہاں آپ کے لیے دو تہائی جہاز موجود ہیں۔ ہمارے پاس یہ آخری موقع ہے۔ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے تو اپنے وجود کا آخری نشان بھی کھو بیٹھیں گے۔“

چارلس اس حقیقت پسندانہ تجزیے پر خاموش رہ گیا۔ اسے اپنا وجود انگاروں پر لوٹنا محسوس ہونے لگا۔ اس نے ایک توقف کے بعد کہا۔

”ٹھیک ہے۔ میں ٹیمینڈ فاسٹ پہنچنے کے لیے تیار ہوں۔ باقی ماندہ گھوڑے منگوا کر سپاہیوں کو بھی سفر کی تیاری کا حکم جاری کر دو۔ کورٹز کی نیت ہنوز خراب تھی۔ وہ الجزائر کے علاوہ کسی شہر کی تسخیر کرنا چاہتا تھا۔ ناکام واپسی اسے سخت مضطرب کیے ہوئے تھی۔

ڈور یا اس کی سوچ اور نیت بھانپ کر فوراً آئینہ دکھاتے ہوئے کہنے لگا۔

”مزید کہیں بھی پیش قدمی کرنے کا تصور بھی کرنے سے پہلے اس سمندری عفریت کے بارے میں بھی ضرور سوچ لیتا جسے دنیا خیر الدین باربروسہ کے نام سے جانتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اب تک ہماری یہاں آمد اور حملے کی خبریں خیر الدین تک ہی نہیں بلکہ سلطنت عثمانیہ تک بھی پہنچ گئی ہوں گی۔ سلطنت عثمانیہ بالکل خاموش نہیں بیٹھے گی۔“

”خیر الدین اتنا بھی بہادر نہیں ہے کہ ایسے موسم میں ہمارا بچا کرتے ہوئے یہاں تک آ پہنچے۔“ کورٹز نے منہ بنایا۔

چارلس نے ایک بار پھر غلٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان حملہ آوروں پر جوابی حملے کا حکم صادر کر دیا۔ اس کے سامنے ہی واقع ایک بلند ٹیلے کو منور چابندی کے لیے منتخب کر لیا۔ اس کا گمان تھا کہ بلندی پر پانی جمع نہ ہونے کے باعث مسلمانوں پر بہتر انداز میں حملہ ہو سکے گا لیکن یہ گمان ایک بار پھر بسیا یک انجام کا سبب بن گیا۔ مسلمانوں کا دفاع حملے سے بھی زیادہ موثر ثابت ہوا۔ اسی دفاع میں انہوں نے چارلس کے بھوکے پیاسے نیم جان اعصابی خشکی کا شکار سپاہیوں کا دل کھول کر قتل عام کیا۔ ان مقتولین میں تین سوری جنگجو بھی شامل تھے۔ بقیہ سپاہ بہ مشکل ساحل تک پہنچی اور نہایت اضطراب سے سامان رسد سے بھرے جہاز تلاش کرنے لگی۔ انہیں جہاز ملے تو کسی لیکن اس حال میں کہ ہر سو حملے کی لاشیں عبرت ناک انداز میں بکھری ہوئی تھیں۔ ان مقتولین میں تین سوری جنگجو بھی شامل تھے۔ اس قتل عام نے چارلس کو مزید اعصابی خشکی میں مبتلا کر دیا۔ بعد ازاں مسلمانوں نے اس ٹیلے کا نام ہی ”نامتوں کا قبرستان“ رکھ دیا۔

سامان رسد یہاں بھی ناپید تھا۔ اکاؤنٹ جہازوں پر اثاثہ موجود تو تھا لیکن فوج کی ضروریات کے لیے قطعی ناکافی تھا۔ سپاہ کی بہت اب بالکل ہی جواب دے چکی تھی۔ اس کے علاوہ ایک اور مسئلہ یہ بھی درپیش تھا کہ ساحل سے مزید کہاں سفر کیا جائے؟ ان کی نظریں چارلس پر ہی مرکوز تھیں کہ وہ بارسلونا یا باب الاذن میں کسی ایک کا انتخاب کرے۔ جرمن سپہ سالار کو ہنوز ایسے عناصر بھی دکھائی دے رہے تھے جو باب الاذن لوٹنا چاہتے تھے۔ ان کے لیے ساحل تک یہ پسپائی کسی ہزیمت سے کم نہ تھی۔ سپہ سالاران لوگوں کی عاقبت نا اماندیشی پر تاسف اور طیش کے سوا کچھ بھی کیا سکتا تھا؟

چارلس کی جانب سے ہنوز خاموشی ہی طاری تھی۔ سپہ سالار کو اب اس خاموشی سے بھی خوف ہی محسوس ہو رہا تھا۔ وہ چارلس کے پے در پے غلط فیصلوں کا انجام بہت اچھی طرح دیکھ چکا تھا۔ ایک اور غلط فیصلہ شاید ان کے تابوت میں آخری کیل ہی ثابت ہوتا۔ چارلس اس کی توقعات پر پورا اترتا۔ اس نے دوبارہ شروع ہو جانے والی دھواں دھار بارش اور طوفانی جھکڑوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ڈور یا کو بارسلونا سے سامان رسد منگوانے کا حکم دے دیا۔ وہ اس رسد کا غیر معینہ مدت تک انتظار کر لیتا لیکن ناکام واپسی کا بار اٹھانا اسے ہرگز گوارا نہیں تھا۔

کورٹز اس فیصلے پر خوشی سے مبم اٹھا۔ اسے بھی ب

خیر الدین کا ذکر سنتے ہی چارلس کو اپنے وجود میں سرد لہریں سرایت کرتی محسوس ہونے لگیں۔ اسے اتنا اندازہ تو بہر صورت تھا کہ خیر الدین کے حملے کی صورت میں اس کی نقاہت زدہ اور شکستہ فوج دفاع سے پہلے ہی ہتھیار ڈال دیتی۔ نتیجہ ایک اور ہزیمت کی صورت میں برآمد ہوتا۔ اس سوچ کے بعد وہاں مزید قیام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے جہاز ساحل پر ہی چھوڑنے کا حکم دیا اور گھوڑوں پر سفر کا آغاز کر دیا۔

ڈوریا نے چارلس کے اس فیصلے پر سکھ کا سانس لیا۔ اس وقت اسے رتی بھر اندازہ نہیں تھا کہ مالٹا سے تعلق رکھنے والے جنگجوؤں نے سامانِ رسد کے لیے اپنی ایک کشتی سسلی روانہ کی ہوئی ہے۔ ڈوریا کا دھیان فی الوقت بہ حفاظت واپسی پر ہی مرکوز تھا۔

☆☆☆

چارلس کا یہ نیا سفر ہرگز آسان ثابت نہیں ہوا تھا۔ ان پر راستے میں کئی بار حملے ہوئے جس کے نتیجے میں کئی سپاہی گرفتار بھی ہوئے۔ بربری مسلمانوں نے تو جرمنی، ہسپانوی اور اٹلی کے جنگجوؤں کو اپنا خصوصی ہدف بنایا ہوا تھا۔ ان کی وحشت نے ہزاروں جنگجو قید کیے۔

اس کے بعد ایک مقام پر پہل کی عدم موجودگی کے باعث دریا عبور کرنا دشوار ہونے لگا تو چارلس نے لشکر میں موجود ماہر تعمیرات کو فوری طور پر پہل تعمیر کرنے کا حکم دے دیا۔ ماہرین نے پوری جانفشانی سے تعمیر کا آغاز کر دیا۔ یہ کام ابھی نامکمل ہی تھا کہ بربری مسلمانوں نے ایک بار پھر شدت سے حملہ کر کے پہل تباہ کیا اور گرفتار شدگان کو غلام بنا کر کھپ کی صورت میں الجزائر روانہ کر دیا۔

چارلس ان پے در پے واقعات پر آپے سے باہر ہو کر کورٹز سے الجھ بیٹھا۔ اسے یہ بات طیش میں مبتلا کیے ہوئے تھی کہ بربری مسلمان جب اور جیسے دل چاہے انہیں شکست دے دو چار کر دیتے ہیں اور اس کی سپاہ مقابلہ تو درکنار دفاع میں بھی ناکام ہو جاتی ہے۔

کورٹز نے جوابی طور پر سارا ملبا سپہ سالار اور اس کی ناقص حکمت عملی پر ڈال دیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اگر وہ فوج کا سپہ سالار ہوتا تو مسلمان ان کی رسد لوٹنے یا انہیں ایسی کسمپرسی میں مبتلا کرنے میں قلعی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ چارلس کی فکری میں مزید کچھ اضافہ ہو گیا۔ کورٹز کا یہ مشورہ اس کے دل کو لگا کہ کچھ سپاہیوں کی گرفتاری سے قطع نظر اب انہیں اپنی حفاظت پر بھرپور توجہ دینی چاہیے۔

اس کشمکش میں بالآخر وہ لمیٹڈ فاسٹ تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے تو اسی اثناء میں سسلی سے سامانِ رسد کے ایک جہاز کی آمد نے بھوکے پیاسے سپاہیوں میں جوش و جذبے کی ایک نئی لہر دوڑا دی۔ یہ خوشی بھی پانی کا بلبلہ ثابت ہوئی۔ جہاز کے ناخدا نے چارلس کو خبر دی کہ خیر الدین ان کا تعاقب کرتے ہوئے سامانِ رسد کی لوٹ مار کے لیے اسی جانب گامزن ہے۔ اس خبر نے چارلس کی مٹی کم کر دی۔ اس نے سپاہیوں کو فوری طور پر جہازوں میں سوار ہونے کا حکم دے دیا۔

اب ایک اور سنگین مسئلہ درپیش تھا۔ سپاہیوں کی نسبت جہازوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس کے علاوہ گھوڑوں کی حفاظت بھی ایک سوالیہ نشان تھی۔ ڈوریا اور کورٹز دونوں ہی اس صورت حال پر تشویش زدہ تھے۔ چارلس نے مجلس مشاورت طلب کی اور ان گھوڑوں کو جہاز پر لادنے کے بجائے سمندر برد کرنے کا حکم دے دیا۔ اس حکم پر وہ سب ساکت رہ گئے۔ ان کے دلوں میں یکدم ہی دکھ کی لہر اٹھی تھی۔ چارلس ان کی کیفیات سے بے خبر ایک ہی منطق پر قائم تھا کہ سواروں سے محروم گھوڑے جب ذاتی طور پر دشمنوں سے مقابلہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے تو انہیں زندہ رہنے کا بھی کوئی حق نہیں ہے۔

سپاہی اور سپہ سالار اس خالمانہ حکم پر سراپا احتجاج ہونے کے باوجود اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ چارلس کی ہٹ دھرمی انہیں بھی سمندر برد کروا دینے پر متوجہ ہو سکتی ہے۔ ڈوریا نے دھکی دل سے گھوڑوں کو سمندر میں گرانا شروع کر دیا۔ سپاہیوں کی آنکھیں بھی اپنے ان دیرینہ ساتھیوں کے اس انجام پر آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

اس کام سے فراغت پاتے ہی چارلس نے بلاتا خیر سپاہیوں کو جہازوں میں مویشیوں کی طرح ٹھنسا دیا۔ سفر کا ابھی آغاز بھی نہ ہوا تھا کہ بارش ایک بار پھر ان کے حوصلوں کا امتحان لینے چلی آئی۔ طوفان کی شدت سے جہاز بے طرح ٹکراتے لگے۔ اس نئی افتاد پر چارلس اس قدر ذہنی دباؤ میں مبتلا ہوا کہ اس نے جھنجھلاتے ہوئے بلا سوچے سمجھے اپنے سر سے تاج اتارا اور سمندر میں پھینکتے ہوئے غصے سے کہنے لگا۔

”تیری عزت اسی میں ہے کہ پانی میں پڑا غوطے کھا تارہ۔ کیا علم کہ تجھ پر کسی ایسے بادشاہ کی نظر پڑ جائے جو مجھ سے زیادہ خوش نصیب ہو۔ آج ثابت ہو گیا کہ میرا سر تیرے لائق ہی نہیں۔“

اس کے علاوہ ایک اور تلخ حقیقت یہ بھی تھی کہ ان کے خلاصی بھی مسلسل فاقہ زدگی اور کوثر ازنی سے بالکل بغاوت تھے۔ وہ موت کے خوف سے بالکل آزاد ہو چکے تھے۔ ان مختلف پہلوؤں پر غور و فکر کرتے ہوئے وقت سرعت سے بیتا۔ طوفان کا زور کم ہونے کی خبر ملی تو چارلس نے سفر کا دوبارہ آغاز کرنے کا حکم دے دیا۔

خیر الدین بار بروسہ کے خوف میں جتنا یہ قافلہ اپنی منزل کی جانب روانہ ہوا تو ساٹھ میل سفر طے ہونے کے بعد انہیں دوبارہ طوفان نے گھیر لیا۔ طوفانی ہواؤں کے جھکڑ اور موجوں کی سرکشی نے انہیں دوبارہ اسی جانب دھکیلنا شروع کر دیا جہاں سے اس سفر کا آغاز ہوا تھا۔ وہ قافلہ ایک بار پھر بوجیہ پہنچ گیا۔ ڈور یا کادل اس صورت حال پر لمحہ بہ لمحہ سکون پا رہا تھا۔ چارلس کو خود سے نظریں چراتے دیکھ کر تو وہ مزید خوشی محسوس کرتا۔

چارلس کی شکستگی اور ڈور یا کی مسرت اس وقت سوا تر ہو گئی جب سسلی کے جہاز کے عملے نے چارلس کے اصرار پر دو ٹوک الفاظ میں معذرت کی کہ ان کا تجارتی جہاز ایسے خون آشام طوفان کا مقابلہ کرنے کی تاب ہی نہیں رکھتا۔

اس جانب سے مایوس ہو کر چارلس نے پہاڑی چٹانوں کی آڑ میں اپنا خیمہ کچھ اس طرح نصب کر دیا کہ خیر الدین بار بروسہ کے جہازوں کی جھلک دیکھتے ہی خود پہاڑی چٹانوں کی آڑ میں روپوش ہو جائے۔ آٹھ سطحوں کے اس حاکم کی کیفیت بالکل کسی ایسے چوہے کی سی تھی جو اپنی عافیت کے لیے بل تلاش کرتا پھر رہا ہو۔ اس کی امیدیں اب صرف پاپائے اعظم کے بھیجے ہوئے ان بیس پادریوں سے وابستہ تھیں جو ہمہ وقت اس کی کامیابی اور عافیت کے لیے دعا گو رہتے تھے۔

چارلس نے ایک روز اپنے خیمے میں ان پادریوں کے علاوہ ڈور یا کا سٹرو کورٹز اور جرمن سپہ سالار کو طلب کر کے پادریوں سے دریافت کیا۔

”محترم صاحبان! آپ کو وہ دعائیں تو ضرور آتی ہوں گی جن سے پیغمبروں نے اپنے بدترین مصائب میں مانگ کر مشکلات آسان کی تھیں؟“

”جی ہاں شہنشاہ! بالکل آتی ہیں۔“ سربراہ نے جواب دیا۔

”تو پھر گریہ و زاری کرتے ہوئے وہ دعائیں مانگتے کیوں نہیں ہو؟ شاید اس طرح خداوند کو ہماری حالت پر رحم آجائے اور ہم اپنی جانب تیزی سے بڑھتے ان دو طوفانوں

کورٹز اس کی حرکات اور الفاظ پر گنگ تھا۔ طوفان کے شدت اختیار کرتے ہی ایک بار پھر سفر ملتوی کر دینے کا خدشہ لاحق ہونے لگا لیکن چارلس نے سختی سے حکم جاری کر دیا کہ خلاصیوں سے کسی بھی طرح بیگار لے کر جہازوں کو قریبی بندرگاہ تک پہنچایا جائے۔

اسی اثناء میں اسے یہ خبریں بھی پہنچ رہی تھیں کہ تناؤ نہ وہ اور بار بروسہ کے خوف نے کئی سپاہیوں کو خود کو ہی سمندر برد کر دینے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کشمکش اور الجھنوں میں ڈور یا بالآخر جہازوں کو بوجیہ تک پہنچانے میں کامیاب ہو گیا۔ آبادی میں آتے ہی بھوک سے بے حال سپاہیوں نے لوٹ مار کا آغاز کر دیا۔ انہوں نے شہر بھر کے مکانات اور بازار پر قبضہ کر لیا تھا۔ چارلس نے بھی مکمل کروفر سے اپنا شاہی خیمہ نصب کر دیا جس کے اطراف میں ڈور یا کورٹز اور دیگر اعلیٰ عہدیداروں کے خیمے بھی موجود تھے۔

طوفان سے پھرے سمندر سے نکل کر سکون آبادی میں آنا ایک خوش کن مرحلہ تھا۔ اس کے علاوہ انہیں بوجیہ کے محل وقوع کے باعث بار بروسہ اندلسی عربوں یا افریقی بربری حملہ آوروں کی آمد کا خطرہ نہیں تھا۔ چارلس نے حسب سابق کم ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سسلی سے آنے والے جہاز کا سامان رسد اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ اس رسد کے حقدار اب صرف شاہی کنبہ اور اعلیٰ عسکری انتظامیہ ہی ہوتی۔ عام سپاہیوں کا اس میں بالکل کوئی حصہ نہ تھا۔

قدرے ذہنی سکون میسر آتے ہی ڈور یا کواریون کے جاگیر زادے کا سٹرو کا خیال آیا جو گزشتہ کچھ عرصے سے اسے کہیں بھی دکھائی نہیں دیا تھا۔ تلاش بسیار کے بعد اسے کا سٹرو اس حال میں ملا کہ اس کے بدن پر صرف ایک پاجامہ تھا۔ بقیہ جسم ایک چادر سے چھپا رکھا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر ڈور یا کے دل میں کم ظرفانہ خوشی پیدا ہونے لگی۔ اسے اپنی مخالفت کرنے اور ان حالات تک پہنچا دینے کے سب ذمے داران پر ہنوز بہت تاؤ تھا۔ اس خوشی میں بہر حال بار بروسہ کا خوف بھی اپنا چھن پھیلانے موجود تھا۔ اسے ملنے والی اطلاعات کے مطابق بار بروسہ ڈیڑھ سو جہازوں کا بیڑا لے کر روانہ ہو چکا تھا۔

دوسری جانب چارلس کی صورت حال یہ تھی کہ اس کے پاس ایک بھی ایسا جنگی جہاز نہ تھا جس پر وہ راہ فرار حاصل کر سکتا۔ غیر جانبداری سے دیکھا جاتا تو اندرون افریقا بھی کوئی پناہ گاہ موجود نہ تھی اور سسلی کے جہاز بھی خیر الدین کے مقابل آنے کے اہل نہ تھے۔

سے نجات پالیں۔“ وہ بے بسی سے کہنے لگا۔

”آپ کن دو طوفانوں کی بات کر رہے ہیں شہنشاہ معظم؟“ سربراہ نے پوچھا۔

”ایک طوفان تو وہی ہے جس نے بارسلونا سے روانگی کے وقت سے ہی ہمیں اپنی خونخواری کی زد میں لیا ہوا ہے۔ دوسرا طوفان خیر الدین باربروسہ اس... ہولناک ہے۔ وہ اپنے ڈیڑھ سو جنگی جہازوں کا بیڑا لیے ہماری جانب بڑھ رہا ہے۔ اگر وہ یہاں پہنچ گیا تو میرے پاس خود کشی کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا۔ میں خود کو اس کا قیدی بھی نہیں بننے دوں گا۔“

چارلس ذہنی شکستگی کی انتہائی فوج تک پہنچ چکا تھا۔ اس خبر نے پادریوں کی سٹی بھی کم کر دی۔ اپنی عافیت خطرے میں نظر آتے ہی انہوں نے شدید گریہ وزاری سے دعائیں مانگنے کا آغاز کر دیا۔

”میں یہ بات کبھی فراموش نہیں کروں گا کہ ہماری اس شکست کی وجہ موسم کی خرابی نہیں بلکہ سپاہ کی بد نظمی غیر ذمہ داری اور ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی تھی۔ وہ اپنے ہمراہ سامان رسد کچھ زیادہ مقدار میں لے آتے اور باب الاذن میں تھوڑی اور مزاحمت کر لیتے تو ایسے شرمناک انداز میں پسپائی اختیار نہ کرنا پڑتی۔ میں آٹھ سلطنتوں کا حاکم ہوں۔ اس چھوٹے سے قطعہ زمین الجزائر کی میرے سامنے بھلا کیا حیثیت تھی؟“

وہ تاسف سے بڑبڑاتے ہوئے اپنے احقانہ فیصلوں کو بالکل نظر انداز کر چکا تھا۔ اسے یہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ جس قطعہ زمین کو وہ غیر اہم ثابت کر رہا تھا وہیں پر اس کے سیکڑوں جہازوں، سامان رسد اور سپاہیوں کا مدفن تھا۔ جن مسلمانوں کو وحشی اور ناپاک قرار دے رہا تھا اب انہی کے گھروں میں اس کے ملک کی اشرافیہ سے تعلق رکھنے والی خواتین کنیزیں بن کر رہنے پر مجبور تھیں۔ اس کے علاوہ وہ موسم کے تغیرات کو قدرت کی منشا نہیں بلکہ ڈور یا کی محوسنت اور بد منتی قرار دے رہا تھا۔ وہ ڈور یا کا یہ ”گناہ“ کسی صورت فراموش نہیں کر سکتا تھا کہ اس نے ہر موقع پر اپنی زبان سے محوسنت اور بد شکوئی کے کلمات نکال کر اس کی مشکلات میں اضافہ ہی کیا تھا۔

ڈور یا کی برداشت کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ وہ اس کم عقل اور عاقبت نا اندیش کی بدگوئی مزید برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے دونوں بات کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

”بہتر ہے کہ میں اب اپنے فرائض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ مجھے اور جووانیکیو کو اس لشکر سے الگ ہی سمجھے۔ میں اپنی بقیہ زندگی اب جووانیکیو میں بہترین صلاحیتیں پر دان چڑھاتے ہوئے ہی بسر کروں گا۔“

اس کے تلخ انداز پر مجلس مشاورت میں کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ اس سکوت میں صرف پادریوں کی زیر لب مانگی جانے والی دعائیں شہد کی مکھوں سی جھنجھٹ کی طرح سنائی دے رہی تھیں۔ چارلس کوئی سخت بات کہنے کے لیے لب کشائی کرنے ہی والا تھا کہ ایک عسکری عہدیدار کی آمد ہوئی۔ وہ جوش و مسرت سے بے حال دکھائی دے رہا تھا۔

”شہنشاہ معظم! خداوند نے ہماری سن لی۔ خیر الدین باربروسہ کا بحری بیڑا بھی طوفان کی زد میں آ گیا ہے۔ اس کا الجزائر پہنچنا اب ناممکنات میں سے ہے۔“

چارلس نے خوشی سے نہال ہو کر پادریوں کی جانب دیکھا جن کی دعاؤں کی قبولیت سے اسے یہ دن اور لمحہ دیکھنا نصیب ہوا تھا۔

”شہنشاہ معظم! مجھے اب اجازت دیجیے۔ کچھ ضروری کام نمٹانے ہیں۔“ ڈور یا نے غلت میں کہا۔

چارلس نے اس کی جانب توجہ کیے بغیر سر ہلا کر جانے کی اجازت دے دی۔ ڈور یا اپنی ہی سوچوں میں الجھا وہاں سے چلا آیا۔ اس کے ذہن میں سب سے پہلا خدشہ اہل بوجیہ کی جانب سے سرسرا رہا تھا۔ گزشتہ کچھ دنوں سے چارلس کے فوجی ان کے حصے کی غذا پر غاصبانہ قبضہ کر چکے تھے۔ اس کا وجدان مسلسل گواہی دے رہا تھا کہ بوجیہ کے رہائشی اب غیر متزلزل انداز میں متحد ہونے والے ہیں۔ اس نے بارہائیں ادھر ادھر غائب ہوتے بھی دیکھا تھا۔

اس کے بعد دوسرا خدشہ بھی کسی سانپ کی طرح کنڈلی مار بیٹھا، اس نے واضح طور پر بارہا محسوس کیا تھا کہ ان کا اسلحہ تیزی سے کم ہو رہا ہے۔ یہ انکشاف اور پھر اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورت حال کسی بھی طور نظر انداز کیے جانے کے قابل نہ تھی۔ یہ اسلحہ یعنی طور پر بوجیہ والوں کے پاس ہی پہنچ رہا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی بالکل واضح تھی کہ اندرونی افریقہ کے رہائشی بھی اہل بوجیہ سے ہی ہمدردی رکھتے تھے۔ کوئی ذی ہوش شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا تھا کہ یہ اسلحہ لازماً چارلس کے خلاف ہی استعمال ہونا تھا۔ ڈور یا کو بھی حالیہ طور پر ہی علم ہوا تھا کہ چارلس نے اپنی سپاہ کو حکم دے رکھا تھا اگر بوجیہ کے رہائشی کسی بھی قسم کی بغاوت پر مائل نظر آئیں تو انہیں بلا لحاظ

موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

حالات و واقعات کے پیش نظر ڈور یا کا یہ ڈر بھی فطری تھا کہ اگر ان بدترین حالات میں کوئی نئی جنگ چھڑی اور الجزائری اس بات سے آگاہ ہو گئے تو چارلس کے لیے جان بچا کر نکلتا محال ہو جائے گا۔ ڈور یا نے اس صورت حال پر کچھ دیر مزید غور و فکر کیا اور بادل ناخواستہ دوبارہ چارلس سے ملاقات کے لیے چل دیا۔

”کہو، ضروری کام بڑی جلدی نمٹا آئے تم؟“ چارلس نے طنز کیا۔

”شہنشاہ معظم! میں ایک التجا کرنا چاہتا ہوں کہ سپاہیوں کو مقامی افراد سے چھیڑ چھاڑ کرنے سے روک دیں۔ یہاں سے بحیرت نکل جانے میں ہی ہماری سب سے بڑی کامیابی ہے۔“ اس نے نرمی سے بات کا آغاز کیا۔

”میں اپنا حکم واپس نہیں لوں گا۔ مقامی افراد کسی بھی بغاوت پر موت کا تحفہ ہی حاصل کریں گے۔“ چارلس نے سفاکی سے کہا۔

”ان بے چاروں پر تو پہلے ہی ظلم کے پہاڑ ٹوٹ چکے ہیں۔ ہم ان سے غذا تک چھین چکے ہیں۔ ہماری ہی وجہ سے وہ شدید قاتلوں کا شکار ہیں۔ اب یہ نئی سزا دینا کہاں کی انسانیت ہے؟“ ڈور یا اپنا دل بوجھل محسوس کرنے لگا۔

چارلس نے بغور اس کی جانب دیکھا اور ایک بار پھر طنزاً کہنے لگا۔

”تیرے بارے میں کچھ عرصہ پہلے میرے دل و دماغ میں پلنے والا گمان بالکل درست تھا۔ بڑھاپے نے تجھے کم ہمت اور بزدل بنا دیا ہے۔“

”یہ تو خیر بھی جانتے ہیں کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ ہاں گزرے وقت اور اب بڑھاپے نے میری دور اندیشی اور معاملہ فہمی میں مزید اضافہ کیا ہے اور میری معاملہ فہمی کہتی ہے کہ بلاوجہ کسی کے ساتھ بھی زیادتی نہیں کرنا چاہیے۔“ ڈور یا کے انداز میں ہلکی سی ہنسی درآئی۔

”اور میں نے اہل بوجھ کے خلاف جو فیصلہ سنایا ہے وہ میری دور اندیشی اور معاملہ فہمی ہے۔“ چارلس نے ٹکیش سے کہا۔

”معاف کیجیے گا شہنشاہ معظم! میں اس بات سے بالکل متفق نہیں ہوں۔“ ڈور یا نے ایک بار پھر صاف گوئی سے کہا۔ اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ چارلس پر اس قدر شدید اثر مرتب ہوگا۔

چارلس کی پھٹی نظروں میں بے یقینی اور طیش بالکورے

لے رہے تھے۔ اس لمحے اسے شدت سے اس بات کا احساس ہوا تھا کہ ملازمین اور شہنشاہیت میں فاصلہ نہایت غیر فطری انداز میں سمٹ گیا ہے۔ یہ علامت بالکل اچھی نہ تھی۔ وہ عجیب و غریب تناؤ بھرے لمحات تھے۔ ساتھ ہی دباؤ اور اپنے ہی ملازمین کی خود سری نے اس کا دماغ اس قدر لٹا دیا کہ وہ یکدم شدید جذباتیت میں مبتلا ہو گیا۔ اس نے ٹپش سے چلاتے ہوئے کہا۔

”کیا تم لوگوں کو علم نہیں کہ میں کون ہوں؟ جانتے نہیں ہو کیا مقام ہے میرا؟ میں چارلس ہوں۔ چارلس! میں آٹھ حکومتوں کا تین شہا حکمران ہوں۔ میری مرضی کے بغیر وہاں کوئی پتا بھی نہیں بلا سکتا۔ میری کئی ہوئی بات اہل قانون ہے۔ مجھ سے بے تکلف ہونے یا سرکشی دکھانے والوں کو دوسرا سانس لینا بھی نصیب نہیں ہوگا۔“

اس کی حالت اور ہذیانی انداز نے حاضرین کو ساکت کر دیا۔ کاسٹرو اس کیفیت اور ڈور یا پر آنے والے متوقع عتاب پر بہت مخطوط ہو رہا تھا۔ اس نے جلتی پر تیل کا کام کرنے کے لیے چارلس کو نہایت ادب اور ملامت سے مخاطب کر کے کہا۔

”تکبر ہمیشہ انسان کو خوار کرتا ہے شہنشاہ معظم! اس کا تکبر بھی اسے کسی نہ کسی روز غرق کر دے گا۔ ویسے ایک غلطی ہم سے بھی تو ہوئی نا! ہمیں پہلے ہی اندازہ کر لیتا چاہیے تھا کہ اس کا دماغی توازن درست نہیں ہے۔ اسے اپنے ہمراہ لانا ہی نہیں چاہیے تھا۔“

چارلس نے پسندیدہ نظروں سے کاسٹرو کو دیکھا۔ وہ اس کی بات سے قدرے پرسکون ہو گیا۔ ڈور یا نے یہ حالات دیکھے تو واپسی کی اجازت لے کر وہاں سے لوٹ آیا۔ باہر آتے ہوئے وہ زیر لب محض اتنا ہی کہہ سکا۔

”خداوند ہمارے بادشاہ پر رحم ہی فرمائے۔ یہ مشیر اور ہمدرد اسے کہیں کا بھی نہیں چھوڑیں گے۔ پتا نہیں بادشاہ کی یہ خود پسندی اور کم فہمی ہمیں مزید کیا کیا کچھ دکھائے گی؟“

☆☆☆

اس روز شام ہوتے ہی بارش نے زور پکڑ لیا۔ اس صورت حال نے وجود میں شدید کھٹن اور مایوسی پیدا کر دی۔ ایسا محسوس ہوتا رہا کہ وہ اب الجزائر سے بھی نکل ہی نہیں سکیں گے پھر حالات نے یکدم ایسی کروٹ لی کہ یہ مایوسی اور پشیمانی مستعدی و توانائی میں ڈھل گئی۔ اطلاع ملی بھی کہ افریقا کے اندرونی حصوں سے مختلف لوگوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ وہ اپنے بشرے سے بالکل بے

خوف اور بے نیاز دکھائی دے رہے تھے۔

دوسری جانب ایک عجیب تر صورت حال یہ بھی تھی کہ بجلی چمکنے اور بادل گرجنے سے بوجیہ کے رہائشی سر بسجود ہو جاتے۔ نوادار انہیں دے لفظوں میں اور کہیں علی الاعلان ایک ہی بات سمجھا رہے تھے۔ ہر سمت یہی الفاظ سرگوشیوں میں گونجتے سنائی دیتے۔

”چارلس اور اس کی فوج اپنے ہمراہ محسوس کا انبار اٹھا لائے ہیں۔ ہمارے دیوی دیوتا لازماً ان سے خفا ہیں۔ بجلی کی یہ چمک بادلوں کی گرج اور طوفانی بارشیں اسی خفگی کا اظہار ہے۔ جاؤ..... اور چارلس سے درخواست کرو کہ واپس چلے جائیں کیونکہ اسی صورت میں طوفان باد و باران سے نجات مل سکتی ہے۔“

مقامی افراد نے متفقہ طور پر چارلس سے ملاقات کا ارادہ کر لیا۔ چارلس کو جب ان بے لباس بارش سے شرابور بدن لیے آنے والے افراد کے بارے میں علم ہوا تو اس نے ملاقات سے انکار کر دیا۔ وہ لوگ اپنی مقامی زبان میں جانے کیا کچھ کہتے رہے۔ چارلس نے نا سمجھی سے جھنجھلاتے ہوئے انہیں وہاں سے مار بھگانے کا حکم دے دیا۔

ڈوریا کو ان لوگوں کی حالت پر ترس آنے لگا۔ وہ خود بھی ان کی زبان سے لاعلم ہی تھا تاہم اشاروں کنایوں سے انہیں سمجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ مقامی افراد بھی ماضی قریب میں اس کے رویے کی بدولت اس پر خاصا اعتبار کرنے لگے تھے۔ وہ چارلس سے مایوس ہو کر ایک درے میں جمع ہو گئے۔ کچھ ہی دیر میں اسلحہ بھی ان کے پاس پہنچا کر یہ بات ذہن نشین کروائی گئی کہ رات کو ہونے والی دھواں دھار بارش میں چارلس اور اس کے فوجیوں پر حملہ کر دیا جائے۔ دیوتا ان کے بھرپور ہمنوا ہوں گے اور ان کی ہلاکت کے بعد بوجیہ محسوس کے آسیب سے آزاد ہو جائے گا۔

ڈوریا کو اس نئی شورش کی خبر ملی تو اس نے بھی اپنی سپاہ کورات کی تاریکی میں بارش کے دوران شب خون مارنے کا حکم دے دیا۔ اس کی حکمت عملی یہ تھی کہ وہ اپنے خیمے خالی کر کے پہاڑیوں میں روپوش ہو جائیں۔ اس کے بعد جب بوجیہ کے رہائشی خیموں پر حملہ آور ہوں تو ان پر عقب سے حملہ کر کے غلبہ پایا جائے۔ اس کے وجود میں ایک خلش یہ بھی پنپ رہی تھی کہ اندرونی مقامی قبائل اہل بوجیہ کی مدد کر کے انہیں جنگ و جدل کا راستہ دکھا رہے ہیں۔

اس کے بعد یہ غلط کہیں نہ کہیں یہ خدشہ اختیار کر لیتی کہ بوجیہ کے رہائشیوں کو مقامی الجزائر مسلمانوں کا

تعاون بھی حاصل ہے۔ اس طرح یہ معرکہ براہ راست عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان برپا ہو جاتا تھا۔ اس کی بے حد احتیاط کے باوجود چارلس تک یہ خبر پہنچ گئی۔ وہ ایک بار پھر جذباتی بحران کا شکار ہو کر بوجیہ کی آبادی تہس نہس کرنے کا حکم دینے لگا۔ ڈوریا اس کی حالت پر تاسف محسوس کرنے کے سوا کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ وہ اپنی اس ذہنی ابتری کا درحقیقت خود ہی ذمے دار تھا۔ چارلس کی یہ کیفیت نظر انداز کرتے ہوئے وہ بھی حملے کے لیے مستعد ہو گیا۔ جرمن ہسپانوی اور اطالوی سپاہی پہاڑیوں میں روپوش ہو کر اپنے خیموں پر نظریں جمائے رہے۔ چارلس البتہ ساحل پر ننگر انداز سسکی کے تجارتی جہاز میں پناہ لے چکا تھا۔

اس دوران قدرت کی بکری ایسی ہوئی کہ بارش یکدم تھم گئی۔ بجلی کی چمک اور بادل کی گرج البتہ ہنوز جاری تھی۔ وقت دھیرے دھیرے سرکنا رہا۔ ڈوریا کے سپاہی ایک متوقع سنسنی خیز مقابلے کی آس لیے سخت مضطرب تھے۔ ان کے اس اضطراب سے بے خبر اہل بوجیہ نہایت معصومیت سے آسمان پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ انہیں فراہم کردہ منصوبے کے تحت حملہ موسلا دھار بارش میں کرنا تھا اور بارش اب بوند باندی میں تبدیل ہو چکی تھی۔

وہ شب یونہی دو طرفہ انتظار میں بیت گئی۔ مقامی افراد کو بارش جبکہ ڈوریا کے سپاہیوں کو ان کی نقل و حرکت کا انتظار تھا۔ اگلی صبح صورت حال سے آگاہی پر ڈوریا اور چارلس بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چارلس ہنوز ذہنی دباؤ کا شکار تھا۔ اسے علی الصباح بھی ماہرین موسمیات نے بتایا تھا کہ موسم کے تغیرات یونہی جاری رہیں گے۔ سمندر پھرے رہنے کے بھی قوی امکانات ہیں۔ اس پر مستزاد خیر الدین باربروسہ کی آمد اور ممکنہ شکست یا گرفتاری کے اندیشوں نے الگ مضطرب کیا ہوا تھا۔ اسے خیر الدین کے بارے میں تازہ ترین صورت حال کا بالکل اندازہ نہیں تھا۔ چارلس کو ایسا محسوس ہوتا کہ وہ اندھیرے میں سنسناتے تیر کی طرح اس کا شکار کرے گا۔ خوف تھا کہ راتوں کی نیند اڑائے دے رہا تھا۔

☆☆☆

چارلس کی ان کیفیات سے بے خبر خیر الدین باربروسہ بھی اپنے معاملات میں الجھا ہوا تھا۔ وہ الجزائر کے بارے میں صرف اتنا ہی جان سکا تھا کہ اسے مختلف ممالک کے اشتراک و اتحاد سے ہدف بنایا گیا ہے۔ پانچ سو جہازوں، حسن آغا کی مجموعی بحری قوت کے بارے میں بھی

اگست 2022ء

ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ



بجے بجے موسم کی
ریگلی سریلی یاریاں
جاسوسی کے ثارے
کی تنکھی نشانی کہانیاں

باڈی گارڈ

بیٹھے بٹھائے مصیبت میں گرفتار ایک چلبلی لڑکی
کی شعلہ فشاںیاں..... امجد رئیس کے قلم
سے رابرٹ کریس کے ناول کی سنسنی خیز تلخیص

شعلہ زن

بے بسی کے اندھیروں میں ڈوبتی لڑکی کی
دردناک داستان حیات.....

روبینہ رشید کے قلم کی جادوگری
ذہر

دنیا مجبور کرتی ہے کہ ان پر قہر بن کر ٹوٹ پڑو..... ایک ایسے ہی
نوجوان کی کوچہ گردی..... زندگی اس کے لیے خالی کشکول کے
مانند تھی..... حسام بٹ کے قلم سے نئی سلسلے دار کہانی

سروں کے رنگ

پہلا رنگ

ایسا آسیب جس کی قاتل گرفت نے ہر ایک کو مجروح
کر دیا تھا۔ زویا صفوان کا سنسنی خیز سرورق

دوسرا رنگ

محبت اور جنگ دو محاذوں پر تنہا کھڑی راجکماری کا
فیصلہ کن دن۔ یعقوب بھٹی کی تنکھی تحریر

چینی لکھ چینی

آپ کے تہرے... مشورے... محبتیں...
شکایتیں... اور نئی نئی دلچسپ باتیں... کتنا ہیں

مکمل آگاہ تھا۔ وہ چارلس کے دیو قامت اور قلعہ نما متحرک
جہازوں کا ایک دور واز تک ہی مقابلہ کر سکتا تھا۔ اس کے بعد
ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ وہ اپنے ڈیڑھ سو
جہازوں کے ساتھ ہر ممکن رفتار سے سسلی کے مشرقی ساحل
"سیرا کیوز" پہنچا تھا۔ سسلی کی شکستہ حال بحریہ نے خیر الدین
کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن اسے روکنے میں بالکل
ناکام رہے۔ خیر الدین مالٹا کے ٹاپی حصے تک رسائی حاصل
کرنے میں کامیاب ہو گیا جہاں جنگجوؤں کی کشتیوں نے
اپنے چھاپا مار دستوں سے اس کے جہازوں کو اپنا ہدف
بنایا۔

خیر الدین کو ان حلوں کے بجائے موسم کی اچانک
طوفانی کروٹ نے رکنے پر مجبور کیا۔ اس کے ماہرین
موسمیات نے واضح طور پر بتا دیا تھا کہ موجودہ حالات میں
الجزائر پہنچنا خام خیالی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اپنے منصوبے
التوا میں پڑتے دیکھ کر خیر الدین کا ذہن مالٹا کے جنوب میں
واقع تیونس کی جانب بھی مبذول ہوا لیکن سلطان سلیمان کا
حکم آڑے آجاتا۔ سلطان نے خیر الدین کو محض الجزائر کی
مدد کے لیے روانہ کیا تھا۔ اس لیے تیونس پر حملہ کسی صورت
بھی ممکن نہیں تھا۔

وقت بیتا رہا۔ خیر الدین کی ذہنی قلابازیاں جاری
رہیں۔ اس تجزیے کے بعد الجزائر تک رسائی کے صرف دو
راستے تھے۔ پہلا راستہ مالٹا اور سسلی کے درمیان سے
گزرنے والی جبکہ دوسری مالٹا سے تیونس کی درمیانی آبی
شاہراہ تھی۔ طوفانی موسم مالٹا اور سسلی مزاحمت کا راستہ تھے۔ وہ
الجزائر تک رسائی کی شدید خواہش کے باوجود بحری بیڑے
کو کسی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ اسے اپنے طلائیہ
گروہوں سے بھی مسلسل یہی اطلاعات موصول ہو رہی تھیں
کہ مزید سفر بلاکت خیزی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

"اب ہمیں کیا کرنا چاہیے امیر؟ کیا واپسی کا سفر
اختیار کرنا بہتر ہوگا؟" درگوت نے استفسار کیا۔

"نہیں! یہ تم نے سوچ بھی کیسے لیا؟" خیر الدین
سنجیدہ ہوا پھر ایک توقف سے کہنے لگا۔

"شاید تمہارے ذہن میں یہ بات گردش کرنے لگی
ہے کہ بار برس اب عمر کے اس حصے میں آگیا ہے جہاں کوئی
بھی شخص صرف آرام کا طلبگار ہوتا ہے۔" اس نے اپنی عمر کی
چھٹی دہائی کی جانب بے رحمانہ تجزیہ کیا۔

"کچھ آرام تو آپ کا حق ہے نا امیر!" صنعان نے
پُر خلوص تشویش جتائی۔

”نہیں میرے عزیز! تمہارا خلوص اپنی جگہ بھالیکیں میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ میں آرام نہیں کر سکتا۔ ابھی تو بہت سے کام نمٹانے ہیں۔“ اس نے مزید سنجیدگی سے کہا۔

”آپ کے ذہن میں اس وقت کیا حکمت عملی ہے امیر؟“ صالح رئیس نے الجھ کر دریافت کیا۔

”یہ تو خیر سیدھی سی بات ہے۔“ درگوت فوراً کہہ اٹھا۔ ”میرا خیال ہے کہ امیر ”جزیرہ رہوڈز“ کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کریں گے۔“

خیر الدین بہم سے انداز میں مسکرا دیا۔ جزیرہ رہوڈز ماضی میں سلطان سلیمان کا مفتوحہ علاقہ تھا۔ بعد ازاں اسے چارلس نے اپنی شریک پندارہ کارروائیوں کا مرکز بنالیا تھا۔

”میں تمہاری صلاحیتوں کا یونہی معترف نہیں ہوں درگوت!“ خیر الدین نے شفقت سے اس کی جانب دیکھا۔

صالح رئیس، درگوت کی اس اہمیت پر ایک بار پھر تلملا کر رہ گیا۔ یہ بات حقیقت تھی کہ وہ گزشتہ کچھ عرصے سے حسد، بغض، کینہ پروری اور اضطراب کا بے طرح شکار ہوا تھا۔

درگوت اور صنعان کی اہمیت اسے کانٹوں پر لوٹنے پر مجبور کیا کرتی۔ ذہن ہمہ وقت کسی نہ کسی انتشار کا شکار ہی رہتا۔ رہوڈز کے سفر کے دوران اس کے منفی جذبات مزید شدت سے عود آئے۔ اس کے دل میں ایک ہی تمنا سر

اٹھانے لگی تھی کہ وہ ان دونوں پر اپنی برتری ثابت کر دے۔ وہ سفر کے التوا سے ناخوش تھا کیونکہ حسن آغا کی بہر صورت مدد اس کی شدید خواہش تھی۔

رہوڈز منتقل ہو جانے پر ایک نئی صورت حال سامنے آئی۔ بحیرہ روم کی جنوب مغربی سمت سے آنے والے ایک قافلے سے چند تاجروں نے خیر الدین کو چارلس کی تباہ کن صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس کے ایک سو پینتالیس جہاز ڈوبنے، سامان رسد سے محرومی اور فوج کی فاقہ کشی کی خبریں بھی اس دوران خیر الدین تک پہنچی تھیں۔ یہ اطلاعات بلاشبہ خوش کن تھیں۔ الجزائر کی مدد قدرت نے از خود ہی کر دی تھی۔

”امیر! میرا خیال ہے کہ ہمیں اس تاجر کی باتوں پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کر لینا چاہیے۔ ہمیں خود الجزائر جا کر صورت حال کا جائزہ لینا چاہیے۔“ درگوت مضطرب تھا۔

”میں بھی یہی کہنا چاہ رہا تھا امیر!“ صالح رئیس نے بھی فوراً جواب دیا۔ ”مجھے یقین ہے کہ آپ حسن آغا کی مدد کے لیے مجھے الجزائر جانے کی اجازت ضرور دیں گے۔“

خیر الدین ان دونوں کی بات پر خاموش رہ گیا۔ اس

کی جہاندیدہ نظریں ان کی باہمی مسابقت بھانپنے لگی تھیں۔ اس نے نرمی سے صالح رئیس کو تیونس جا کر وہاں کے حالات کا اچھی طرح جائزہ لینے کے لیے قائل کر لیا۔ اس جائزے کے بعد ہی وہ حتمی اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہاں حملے کی صورت میں کس حد تک مزاحمت سامنے آئے گی اور مسلمان رعایا کے تعاون کا تناسب کتنا رہے گا؟

صالح رئیس نے اس کی بات تسلیم کر لی اور دو جہاز لیے تیونس روانہ ہو گیا جہاں ہنوز شاہ حسان کی حکومت تھی۔

مسلمان حلق الوید میں مقیم چارلس کی عیسائی فوج کے خلاف تھے۔ تازہ ترین صورت حال یہ تھی کہ عیسائیوں نے ساحل کے قریب ایک قلعہ تعمیر کر لیا تھا جہاں سے شاہ حسان اور تیونس کو زیر نگرانی رکھا جاتا۔ صالح رئیس کے دونوں جہازوں کا عملہ تاجروں کے بھیس میں حلق الوید کی بندرگاہ میں داخل ہوا۔ صالح کو ایک اطمینان بہر حال یہ بھی تھا کہ یہاں اسے ذاتی شناخت میں پہچاننے والا کوئی بھی شخص نہیں۔ وہ بھرپور اعتماد سے جہاز سے نیچے اتر آیا۔

دوسری جانب حلق الوید کے عیسائی دونوں جہاز خالی دیکھ کر خامے حیرت زدہ تھے۔ ان کی یہ حیرت بھی فطری تھی کہ ان تجارتی جہازوں پر کوئی تجارتی سامان موجود ہے نہ ہی تاجروں کی جماعت۔ نتیجتاً صالح کو کنفٹیش کے لیے قلعے میں طلب کر لیا گیا۔ صالح اس صورت حال کے لیے ذہنی طور پر تیار تھا۔ اس نے خود کو کردار کے سانچے میں مکمل طور پر ڈھال لیا۔

”کہاں سے آئے ہو تم؟ کہاں جانے کا ارادہ ہے؟“ قلعہ دار نے دریافت کیا۔

”اودہ خدا یا! جب سے یہاں آیا ہوں ہر خاص و عام مجھ سے یہی سوال کر رہا ہے۔“ صالح نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”ہاں، مجھے علم ہے، تم مقامی لوگوں کو یہ بتاتے پھرتے ہو کہ اس خراب موسم میں تیونس سے اسکندریہ اور شام کے ساحلی علاقوں میں سفر کرو گے۔“ قلعہ دار نے اسے اپنی معلومات سے آگاہ کیا پھر ایک دوسرے زاویے سے سوال کیا۔

”یہ جہاز کب خریدے تم نے؟“

”ورٹے میں ملے تھے مجھے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ بار برسہ ان پر قبضہ جمانا چاہتا ہے۔ آج کل وہ جزیرہ رہوڈز میں مقیم ہے۔ میں اپنے جہاز وہیں جزیرے کے کسی ساحل پر کھڑا کرنا چاہتا تھا لیکن ایسا نہ کر سکا۔ اس لیے اب

سپنس ڈائجسٹ 22 ستمبر 2022ء

www.zemtime.com

تیونس سے تجارتی سفر کا سلسلہ شروع کرنا چاہتا ہوں۔“ ہونے لگتا ہے۔“

صالح کے اس جواب پر قلعہ دار کی آنکھیں چپکنے لگیں۔ اس نے قدرے رازدارانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔

”اگر تم راضی ہو جاؤ تو ہم دونوں مل کر قزاقیت اختیار کر سکتے ہیں۔ کچھ آدمی میں تمہیں فراہم کر دوں گا۔ بقیہ تمہارے پاس بھی کافی افرادی قوت ہے۔ جہازوں کی لوٹ مار کرو اور حلق الوید میں آ جاؤ۔ پناہ گزینی کا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ آہستہ آہستہ کام بھی رواں ہو جائے گا۔“

”تمہارا مشورہ ویسے دل کو لگتا ہے لیکن اس کے لیے جانثار اور وفادار آدمی درکار ہوتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے ہم مذہبوں کی لوٹ مار سے انکار کر دیں۔“ وہ ایک توقف سے کہنے لگا۔

”اس کا حل بھی میرے پاس موجود ہے۔“ قلعہ دار نے مزید آہستگی سے جواب دیا۔ ”ہم دونوں مسلمانوں اور عیسائیوں پر مشتمل بحری قزاقوں کا گروہ تیار کریں گے تاکہ دونوں فریقین کی خوب لوٹ مار ہو سکے۔“

صالح رئیس نے کچھ دیر سوچ میں مبتلا ہونے کی اذکار کی اور مزید رضامندی ظاہر کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ عیسائی اور مسلمان قزاقوں کا یہ گروہ موجودہ حالات کے تحت مذہبی تعصب کا شکار نہیں ہوں گے؟“

”اس موضوع پر ہم مزید جزئیات طے کر لیں گے۔ یہ کام مکمل منصوبہ بندی سے ہی شروع کیا جائے گا۔“ قلعہ دار نے تجویز دی۔

”سچ بتاؤں، میں نے بھی کئی بار قزاقیت اختیار کرنے کا سوچا لیکن بار برسوں سے کچھ ڈر لگتا ہے۔ اس کے بارے میں یہی سنا ہے کہ وہ ”عقاب آب“ ہے۔ اس کی موجودگی میں کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔ میرے ذہن میں قزاقیت کے کئی نادر منصوبے بھی ہیں۔ اگر ہم دونوں مل کر کام کریں تو ہمیں ترقی سے کوئی نہیں روک سکے گا۔“ صالح نے سرگوشی میں کہا۔

قلعہ دار مزید پُر جوش ہو گیا اور ملاحت سے صالح کو کہنے لگا۔

”آج سے تم میرے مہمان ہو۔ ہم مشترکہ منصوبہ بندی سے کوئی بہتر حل نکال لیں گے۔“

صالح اس پیشکش پر قدرے پُر سکون ہو گیا۔ اسے اپنے مقصد میں جزوی طور پر کامیابی حاصل ہو گئی تھی۔ وہ

وہ قلعہ دار کو اپنی سادگی و بے وقوفی کا بھرپور تاثر دے رہا تھا۔ اس کی یہ کوشش کامیاب بھی رہی۔ قلعہ دار نے اس سے پوچھا۔

”تمہارے دونوں جہازوں پر تقریباً تین درجن چوہ بردار موجود ہیں۔ اس کے علاوہ دو درجن سے زائد دیگر کاموں پر مامور افراد بھی شامل ہیں۔ ان کا خرچ کہاں سے پورا کرتے ہو؟“

”ورٹے کی دولت سے کام چلا لیتا ہوں بس۔“ وہ اسی سادگی سے کہنے لگا۔

”تمہارے جہازوں پر نکواردوں، نیزوں اور بندوقوں جیسا روایتی اسلحہ بھی موجود ہے لیکن انہیں دیکھ کر گمان یہی ہوتا ہے کہ انہیں صرف احتیاطاً رکھا گیا ہے اور ان سے صحیح طرح کام لینا کسی کو آتا ہی نہیں۔“

”تمہارا جب ہاتھ میں آئیں تو چلانے بھی آ ہی جاتے ہیں۔“ صالح رئیس نے ایک بار پھر وہی بے بنازی جتائی۔

”ان دونوں جہازوں کو ہمارے ہاتھ فروخت کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟“ قلعہ دار نے استفسار کیا۔

”یہ کیسی بات کہی تم نے؟ ہم اپنی روزی کا ذریعہ کیسے فروخت کر سکتے ہیں بھلا؟“ وہ بدک گیا۔

”تجارت میں کیا رکھا ہے؟ آج کل تو بس ایک ہی ذریعہ کمائی غالب ہے۔۔۔۔۔ بحری قزاقی۔ اس بارے میں کیا خیال ہے ویسے؟“

قلعہ دار کا یہ سوال سن کر صالح قدرے سنبھل گیا اور ایک توقف سے کہنے لگا۔

”یہ تو شاہی پیشہ ہے میرے بھائی! آج کل بڑے بڑے بادشاہوں نے قزاقوں کو اجرت پر ملازم بنا رکھا ہے جو اپنی جان خطرے میں ڈالے ان بادشاہوں کی تجوریاں بھرتے پھرتے ہیں۔“

قلعہ دار کو پہلی بار اس کے جواب نے اچھنے میں مبتلا کیا۔

”تم تو خاصے باخبر انسان ہو۔“

”دو جہاز سمندر میں لے کر اترے ہیں تو بنیادی معلومات کے بغیر کیسے یہ کام شروع کر سکتے تھے۔“ وہ ایک بار پھر سادگی میں پلٹ گیا۔

”تمہارا تعلق کس نسل سے ہے؟“ قلعہ دار نے پوچھا۔

”نو مسلم ہوں لیکن ذہنی طور پر اب بھی عیسائیت سے ہی متاثر ہوں۔ اب تو کبھی بھی اپنے فیصلے کی غلطی پر ملال بھی

قلعہ دار کا مہمان بن کر تیونس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر سکتا تھا۔ اس نے قلعہ دار کو مزید شیئے میں اتارنے کے لیے کہا۔

”ہم فی الوقت اپنا کام بانٹ لیتے ہیں۔ تم عیسائی تاجروں کو میرے جہازوں پر سفر کی ترغیب دو۔ میں مسلمانوں کو آمادہ کر لوں گا لیکن ایک بات اور ذہن میں رکھنا۔ اس کام میں جلد بازی کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ مئی تک تجارتی سفر کے لیے یہ موسم مناسب نہیں ہے۔“ اس پیشکش اور انداز کا قلعہ دار پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ اس نے فوری طور پر جواب دیا۔

”تم تیونس میں میرے مہمان ہو۔ تمہیں کسی بھی چیز کی کمی نہیں ہوگی۔ تمہارے ساتھ سلاخ سپاہیوں کا ایک دستہ رہا کرے گا۔ وہ بحری قزاقی میں بھی تمہارے مددگار ثابت ہوں گے۔“

صالح یہ معاملات طے کر کے قدرے پرسکون تو ہو گیا تھا تاہم دل میں کہیں نہ کہیں ایک اور خدشہ بھی سرسرا رہا تھا کہ اسے بار برسوں کا ساتھی ہونے کی حیثیت سے شناخت نہ کر لیا جائے۔ اس صورت میں صالح کا بننا بنایا کھیل خراب ہو سکتا تھا۔ اسے بار برسوں پر بہر صورت اپنی دھاک بٹھانا تھی۔ وہ تیونس میں مسیحی اثرات کا خاتمہ کر کے اسلامی حکومت قائم کرنے کا خواہش مند تھا۔ صالح یہاں کے حالات و معاملات سے اسے کھل آگاہ کر کے سہولت کار بن جاتا تو یہ بات ثابت ہو جاتی کہ اس کی صلاحیتیں درگوت اور صنعان سے کسی طور بھی کم نہیں ہیں۔

اس سارے عمل میں خدشہ صرف ایک ہی بات کا تھا کہ تیونس میں کسی ایسے شخص سے سامنا نہ ہو جائے جو اس کا صورت آشنا ہو۔ سوچ بچار کے بعد اس نے اپنا کام ایک ایسے علاقے سے شروع کرنے کا فیصلہ کیا جہاں شاہ حسان کے مخالف افراد رہتے تھے۔ ان علاقوں میں سرفہرست وہ مقام تھا جہاں ”قیروان“ کے لوگ کثیر تعداد میں رہائش پذیر تھے۔ اس نے قیروان کے شیخ سے بھی ملاقات کی۔ اس کے ساتھ نماز ظہر کی ادائیگی کی۔ شیخ نے صالح سے پرتپاک انداز میں گفتگو کی اور باتوں ہی باتوں میں اسے جتائے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ مسلمان ہوتے ہوئے عیسائی قلعہ دار کا مہمان کیوں بنا ہوا ہے۔

جوابی طور پر صالح نے شیخ کو اس واقعے کی طرف اشارہ کیا جب چارلس کے باج گزار شاہ حسان کے منہ پر ایک لڑکی نے نفرت اور حقارت سے تھوک دیا تھا اور صالح کو

اسی وقت اندازہ ہو گیا تھا کہ تیونس میں رہنے کے لیے عیسائیوں کی پناہ بے حد ضروری ہے۔

شیخ کو یہ منطق ناگوار تو گزری تاہم اس نے کسی ناخوشگوار بحث سے گریز ہی کیا۔ اس گفتگو کے دوران کچھ ہی فاصلے پر کھڑا ایک شخص صالح کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ اس کے پاس آیا اور الجھ کر کہنے لگا۔

”میں نے شاید تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھ رکھا ہے۔“ صالح اس سوال پر قدرے گڑبڑا گیا۔ اپنی مہم کے اس نازک ترین موڑ پر وہ کسی خطرے کا محتمل نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ سنبھل کر بے نیازی سے کہنے لگا۔

”میں تجارت کے سلسلے میں اکثر یہاں آیا کرتا ہوں تب ہی کہیں دیکھ لیا ہوگا۔“

”نہیں، میرا حافضہ اتنا بھی کمزور نہیں ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت چارلس بھی یہیں موجود تھا۔“ وہ مزید الجھا۔

”جب شاہ حسان کو تخت نشین کیا گیا تھا، ان دنوں میں یہیں موجود تھا۔ شاید تب ہی دیکھا ہوگا تم نے۔“ صالح نے بھی مزید بے نیازی کا مظاہرہ کیا۔

”ہاں، شاید تم درست ہی کہہ رہے ہو۔ بہت ہی ہولناک وقت تھا وہ۔ یہاں خون خرابے کی انتہا کر دی گئی تھی۔ اس نقصان عظیم کی یاد میں مسلمان آج بھی شاہ حسان پر لعنت ملامت کرتے ہیں۔“ وہ جھرجھرا گیا۔

”صرف لعنت ملامت سے کیا فائدہ؟ کیا تیونس بھر میں اتنا باہمت کوئی بھی نہیں ہے کہ شاہ حسان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے غلط ثابت کر سکے یا اس کا تختہ الٹ کر کسی اصول پرست اور باضمیر شخص کو حکومت سونپ سکے؟“

صالح کی بات مکمل ہوتے ہی قیروانی شیخ نے ہنسیا کر کہا۔

”مسجد میں ایسی باتیں کر کے کیوں شاہی عتاب کا نشانہ بننا چاہتے ہو؟ ہوش کے ناخن لو کوئی۔“

صالح اس کی بات پر خاموش ہو گیا تاہم نووارد شخص خاصا پرجوش دکھائی دے رہا تھا۔

”آخر کب تک خاموش اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے ہم؟ شاہ حسان کے خلاف محاذ آرائی اب بہت ضروری ہو چکی ہے۔“

”تم یہ باتیں علی الاعلان ایک اجنبی کے سامنے کیوں کر رہے ہو؟ کیا تمہیں ایک لمحے کے لیے بھی یہ خیال و خوف محسوس نہیں ہو رہا کہ یہ شخص جاسوس بھی ہو سکتا ہے۔ کیا خبر یہ ہماری گفتگو عیسائی قلعہ دار تک پہنچا دے۔“ شیخ نے کہا۔

”میں اپنے اس بھائی کی یادداشت کی داد دیتا ہوں کہ اس نے میری ہزار ہا کوششوں کے باوجود مجھے پہچان لیا۔ میں یہاں تازہ ترین حالات کا جائزہ لینے ہی آیا ہوں۔ صورت حال کچھ اس طرح ہے کہ چارلس کو الجزائر میں بری طرح ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ خیر الدین، حسن آغا کی مدد کے لیے ہی ڈیڑھ سو جہازوں کے ہمراہ یہاں آیا تھا۔ قدرت نے اس بساط کو اس طرح لپیٹا کہ عقل ہی دنگ رہ گئی۔ خیر الدین اس وقت رہوڑ میں موسم کی بہتری کا منتظر ہے۔ اسی نے مجھے یہاں بھیجا ہے کہ حالات کا اچھی طرح جائزہ لے کر اسے آگاہ کروں۔ اسی صورت میں وہ یہاں سے شاہ حسان کے قدم اکھاڑ سکے گا۔“

اس کی بات مکمل ہوتے ہی ایک اور شخص اٹھ کر سنجیدگی سے کہنے لگا۔

”مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آتی کہ تمہیں عیسائیوں کے قلعے میں قیام کی کیا ضرورت تھی؟“

”جواب بہت سادہ ہے میرے عزیز! میں نے ان پر اپنا اعتماد قائم کیا ہے۔ وہ میری طرف سے بے فکر ہو جائیں گے۔ اس صورت میں ان کے اندرونی رازوں سے واقفیت ملے گی۔ مجھے دونوں جانب سے جیسے ہی حالات موافق نظر آئیں گے، خیر الدین کو اپنے بحری بیڑے کے ساتھ یہاں آنے کا پیغام بھیج دوں گا۔ اس کی آمد کے بعد ہم پہلے الجزائر اور پھر اندلس کے جنوبی ساحلی شہروں کی جانب بڑھیں گے۔ اب ہم دشمن کی سرزمین میں جنگیں برپا کریں گے۔ چارلس اور اس کے باج گزاروں کو مزید ڈھیل دینا کسی بھی صورت مناسب نہیں ہے۔“ وہ متانت سے سمجھانے لگا۔

”تمہاری بات سمجھ میں آتی ہے۔“ قیروانی شیخ نے جواب دیا۔ ”میں تمہیں یہ متانت دیتا ہوں کہ مقامی افراد کی حمایت اور حالات سے تمہیں مکمل آگاہ کریں گے۔ خیر الدین بار بروسہ کی یہاں آداب بہت ضروری ہوگئی ہے۔ ویسے میرا اندازہ ہے کہ تیوکی افراد کی اکثریت موجودہ حکومت کی مخالف ہے۔ وقت پڑنے پر وہ ہمارا بھرپور ساتھ دیں گے۔“

”آپ سب یہ دعا بھی ضرور کیجیے کہ موسمی حالات بھی کچھ موافق ہو جائیں۔ خیر الدین بار بروسہ ملا تامل و تاخیر آپ کی مدد کے لیے یہاں چلا آئے گا۔“ صالح پرعزم تھا۔ اسی لمحے ایک اور شخص بر ملا کہہ اٹھا۔

”بار بروسہ۔ کوہم نے پہلے اس لیے مسترد کیا تھا کہ وہ

صالح یکدم چونکا ہو گیا۔ اس کے لیے اب اپنے منصوبے کے دوسرے حصے پر عمل کرنا بہت ضروری ہو گیا تھا۔

”شیخ محترم! میں نو مسلم سہی تاہم اسلام سے میری محبت کسی طور بھی آپ لوگوں سے کم نہیں ہے اور پھر یہاں کون سی خفیہ سازش پنپ رہی ہے جو آپ اتنا خوفزدہ ہو رہے ہیں؟“

”بہتر یہی ہے کہ تم دونوں آج شام میرے ڈیرے پر آ جاؤ۔ وہاں ہم بلا خوف و خطر گفتگو کر سکیں گے۔“ شیخ نے دوبارہ ٹوکا۔

صالح رئیس خاموش ہو گیا۔ اس نے مغرب کی نماز بھی مسجد میں ادا کی اور شیخ کے ہمراہ ڈیرے پر روانہ ہو گیا۔ وہاں موجود افراد نے اس کی خاصی آؤ بھگت کی۔ ان کی باتوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کبھی حکومت مخالف افراد ہیں۔

کچھ ہی دیر بعد عشا کا وقت ہو گیا۔ اذان سے قبل وہاں چالیس پینتالیس سالہ ایک شخص بھی چلا آیا۔ اس پرست قامت اور مٹھے ہوئے جسم کے حامل شخص کا سبھی نے احترام و گرجوئی سے استقبال کیا۔ عشا کی نماز باجماعت ادا ہونے کے بعد ڈیرے کا پھانک بند کر دیا گیا۔ حاضرین کے انداز و اطوار اب بے حد سنجیدہ ہو چکے تھے۔ نو وارد شخص نے محفل کی صدارت سنبھال لی۔ اس کے اشارے پر شیخ نے تیونس میں عام مسلمانوں کی سوچ و الجھنوں سے آگاہ کرتے ہوئے خیر الدین بار بروسہ کا ذکر بھی کیا جو مسلمانوں کے عدم تعاون سے ہی اب تک اپنے مقصد میں ناکام ہوا تھا۔ اس کا نتیجہ بھی مسلمانوں کی بربادی کی صورت میں ہی نکلا تھا۔

میرا براہ محفل یہ ساری گفتگو بہت اٹھماک سے سن رہا تھا۔ اسی اثناء میں مسجد میں ملنے والا شخص اپنی نشست سے اٹھا اور شیخ سے اجازت لے کر کہنے لگا۔

”محترم! اس ناچیز کی رائے یہ ہے کہ تیونس میں بالکل برپا ہونے کا وقت بہت قریب ہے۔ میں نے اس اجنبی مہمان کو شناخت کر لیا ہے۔ یہ خیر الدین بار بروسہ کا ساتھی صالح رئیس ہے جو نہ جانے کس مصلحت کے تحت اپنی شناخت پوشیدہ رکھے ہوئے ہے۔ میری خواہش ہے کہ یہ ہم پر بھرپور اعتماد کرے اور یہاں آمد کا مقصد مکمل کر بیان کرے۔“

اس انکشاف پر سبھی کی گردنیں یک وقت صالح کی طرف مڑ گئیں۔ نظروں میں بے پناہ مسرت، جوش اور امید ہلکورے کھاتی دکھائی دینے لگی تھی۔ صالح کے لیے اب مزید اداکاری کا مظاہرہ ممکن نہیں رہا تھا۔ وہ بھی اپنی نشست سے اٹھا اور متانت سے کہنے لگا۔

خانہ بدوش ترک حکومت کا نمائندہ تھا۔ عرب چونکہ ترکوں سے نفرت کرتے ہیں اس لیے خدشہ ہے کہ اس بار بھی ایسی ہی صورت حال کا سامنا کرنا پڑ جائے۔“

”آہ..... اس تعصب اور نسلی منافرت نے ہمیں کہیں کا بھی نہیں چھوڑا۔ یہ کیسی عجیب منطق ہے کہ تم تیونس کے مقامی افراد قسطنطنیہ کی مسلم حکومت سے تو عناد رکھتے ہو جبکہ اندلس کی مسلم دشمن حکومت پر مکمل اعتماد جتاتے ہو۔“

”میں آپ کی اس بات سے بالکل متفق ہوں۔“ اس شخص نے کہا۔ ”میں یہی تو چاہتا ہوں کہ میرے ہم وطن افراد کے ذہنوں میں بھی یہ بات اچھی طرح نقش ہو جائے۔ وہ سابقہ غلطی دہرانے کی حماقت نہ کریں۔ وہ سبھی ایک حقیقت اچھی طرح جان لیں کہ خیر الدین باربروسہ ترک ہے نہ عرب۔ وہ محض مسلمان ہونے اور انسانیت کے ناتے سے ہماری مدد کر رہا ہے۔“

”بالکل ایسا ہی ہے۔“ صالح رئیس نے جواب دیا۔ ”میں خود ایک عرب ہوں لیکن ترکوں کے ساتھ دلی طور پر شریک ہو کر عیسائیوں سے جنگ کر رہا ہوں اور ان شاء اللہ ہمیشہ کرتا رہوں گا۔“

”تو پھر اب صورت حال یہ ہے کہ اگر ہم شاہ حسان کے خلاف مزاحمت کریں تو چارلس کی تباہی اور موجودہ حالت کے باعث قلعے کی عیسائی فوج اپنے مرکز سے بالکل کوئی مدد حاصل نہیں کر سکے گی۔ اس طرح ہمیں اپنے مقصد میں بہت جلد کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ خیر الدین تیونس سے جبرالٹر تک پہنچے عیسائیوں کے خلاف کارروائی کر کے افریقہ کا پورا علاقہ ان موزیوں سے پاک کر دے گا۔“ قیروانی شیخ نے اعادہ کیا۔

صالح رئیس نے اس بات کی تائید کی اور ان سے روائگی کی اجازت چاہی۔ اسے خدشہ تھا کہ تاخیر کی صورت میں قلعہ دار اس سے طرح طرح کے سوالات پوچھے گا۔ قیروانی شیخ نے اسے اصرار کر کے وہاں شب ب سری کے لیے روک لیا۔ اس رات دیگر افراد کی روائگی کے بعد قیروانی شیخ اور صالح ایک بار پھر جو گفتگو ہو گئے۔ اس گفتگو کا مرکز عالم اسلام کی بے حسی عیسائیوں کا اتحاد و مذہبی جنون مسلمانوں کا باہمی نفاق و تعصب اور خیر الدین کی مخلصانہ بے لوث کاوشوں کے ساتھ اس امر پر بھی زور تھا کہ مسلمانوں کو از سر نو برتری حاصل کرنے کے لیے بحری قوت میں اضافے کی بہت ضرورت ہے۔ سلطنت عثمانیہ کی طاقت بھی بحری برتری کی مرہون منت ہی تھی۔ اسی لیے مسیحی دنیا ان سے

خائف بھی رہتی۔ عرب اسی لیے آج زیر دست اور گردش کا شکار تھے۔ اگر ان کے پاس بھی بحری قوت ہوتی تو اندلس کبھی ان پر غالب نہ آ پاتا اور اگر غلبے کی کوشش کرتا تو منہ توڑ جواب بھی پا ہی لیتا۔ صالح رئیس اس گفتگو کے دوران قیروانی شیخ کی فراست و دراندیشی اور معاملہ فہمی پر لحظہ بہ لحظہ حیرت زدہ بھی ہو رہا تھا۔ شیخ کا یہ بھی کہنا تھا کہ تیونس کی حکومت تبدیل ہونے کی صورت میں باربروسہ کو یہاں جہاز سازی کا کارخانہ لازماً قائم کرنا چاہیے۔ اس صورت میں مقامی نوجوان بحریہ کی تربیت حاصل کر سکیں گے۔ اسے تیونس کا مستقبل اب قدرے باشعور اور با فہم لوگوں کے ہاتھوں میں پروان چڑھتا دکھائی دے رہا تھا۔ خیر الدین بھی یقیناً اس صورت حال سے آگاہی کے بعد بہت خوش اور مطمئن ہوتا۔

وہ رات اسی گفتگو اور منصوبہ سازی میں بیت گئی۔ صبح کی نماز کے بعد جب صالح قلعے میں پہنچا تو قلعہ دار نے خاصے تیکے چتونوں سے اس کا استقبال کیا۔

”کہاں تھے تم رات بھر؟ میں نے تمہارا کافی انتظار کیا۔“ ”مقامی تاجروں سے مل کر انہیں اعتماد میں لینے کی کوشش کرتا رہا۔ مستقبل قریب میں یہ لوگ ہمارے لیے بہت کارآمد ثابت ہوں گے۔“ صالح نے طے شدہ جواب دیا۔

”اچھا! قیروانی شیخ کب سے تاجر ہو گیا واپس؟ مجھے تو مصدقہ اطلاع ملی ہے کہ تو اس سے مسجد میں کافی دیر تک باتیں کرتا رہا ہے۔ وہاں کسی شخص نے تجھ سے پہلے کبھی ملاقات کا دعویٰ بھی کیا ہے۔“

قلعہ دار کے اس جواب سے صالح کو یقین ہو گیا کہ اس کے جاسوس یقیناً مسلمانوں کے بھیس میں ہر جگہ ہی موجود ہیں۔ صالح نے بے نیازی سے جواب دیا۔

”ہاں، ایسا کچھ کہہ تو رہا تھا وہ۔ خیر، میں ایک تاجر ہوں۔ مختلف علاقوں میں میری آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہیں دیکھ ہی لیا ہو مجھے۔“

قلعہ دار کچھ لچکوں کے لیے خاموش ہوا پھر کسی سوچ کے تحت کہنے لگا۔

”قیروانی شیخ مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ اسے یہاں کے انتشار پسندوں کی تحریک کا نمائندہ ہی سمجھ لو۔ اگر اس سے رابطہ بڑھاؤ گے تو شاہ تجھے بھی اسی کارکن سمجھے گا۔ ہو سکتا ہے رد عمل کے طور پر تجھے ملک بدر کر دے یا کہیں قید کر کے تیرا وجود ہی فراموش کر بیٹھے۔ اس صورت میں تو جانے کتنے برس قید خانے میں گھٹا سڑتا رہے گا۔“

”تیری بات اپنی جگہ درست ہے لیکن اس جیسے لوگ ہی میری اولین ترجیح ہیں۔ اگر ان سازشیوں کو طاقتور بنا دیا جائے تو یہ حکومت سے الجھ جائیں گے۔ اس کشمکش سے ہمیں فائدہ پہنچے گا۔ میں ان عناصر کو زیادہ سے زیادہ فعال بنانا چاہوں گا۔“ صالح نے تجویز دی۔

”میں یہاں کے حالات سے زیادہ آگاہ نہیں ہوں۔ ہمارے لیے بہتر ہے کہ انتظامی معاملات میں بالکل دخل نہ دیں کیونکہ شاہ کو ہم سے کوئی شکایت پیدا نہیں ہونا چاہیے۔“ قلعہ دار نے سمجھایا۔

”میں تیرے انداز فکر سے متفق نہیں ہوں کیونکہ حقیقت یہی ہے کہ شہر میں انتشار بڑھنے کی صورت میں حکومت کمزور ہوگی۔ بادشاہ کو لامحالہ طور پر تمہاری ضرورت پیش آئے گی اور نتیجتاً تم یہاں اپنی سوچ سے بھی زیادہ فوائد حاصل کر لو گے۔“

صالح کی اس دلیل پر قلعہ دار ایک بار پھر سوچ میں پڑ گیا۔ بعد ازاں اس نے اپنے چند ساتھیوں سے بھی مشاورت کی۔ کبھی کو صالح رئیس کی یہ تجویز بہت پسند آئی۔ موجودہ حالات ان کے سامنے ہی تھے۔ چارلس اپنے مصائب کی وجہ سے کوئی مدد فراہم کرنے سے قاصر تھا۔ مناسب یہی تھا کہ تیونس میں زیادہ سے زیادہ بالواسطہ دخل اندازی کی جائے اور اس کام کے لیے صالح ہی بہترین انتخاب تھا۔ قلعہ دار نے اسے حکومت کے خلاف سازشوں کی اجازت دے دی تاکہ شاہ حسان قلعوں پر قابو پانے کے لیے قلعہ دار کی مدد طلب کرے۔ تیونس میں انتشار پیدا ہونے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا کہ مقامی متمول افراد اور تاجر لامحالہ طور پر کسی بہتر اور پُر امن مقام کی طرف نقل مکانی کرتے۔ اس مقصد کے لیے جہازوں کی ضرورت ناگزیر تھی۔ ان کی منتقلی کے دوران بحری قزاقی کا سلسلہ بھی شروع ہو سکتا تھا۔

قلعہ دار کی جانب سے مطمئن ہو کر صالح، قیروانی شیخ کے پاس پہنچ گیا جہاں اس لمحے ایک خصوصی مجلس مشاورت رواں تھی۔ موضوع بحث بہر حال شاہ حسان ہی تھا۔ اب ایک نئی تجویز بھی زیر غور تھی کہ شاہ حسان کے بجائے اقتدار اس کے بیٹے ”حمید“ کو منتقل کر دیا جائے۔ شاہ حسان کا وجود اب اہل تیونس کے لیے ناقابل برداشت ہو چکا تھا۔

صالح کو اس مجلس میں کئی سربراہان اور وہ افراد بھی دکھائی دے رہے تھے۔ وہ ہر ایک کا بغور جائزہ لیتے ایک چہرے کو دیکھ کر بے طرح چونکا۔ اس کے سامنے شہزادہ حمید موجود

تھا۔ گویا وہ بھی اپنے والد کے خلاف سازشی منصوبے میں مکمل طور پر شریک تھا۔ اسی لمحے صالح کو بھی وہ اپنی جانب اسی طرح چونک کر متوجہ ہوتا محسوس ہوا۔ وہ قیروانی شیخ کی طرف جھکا اور رازدارانہ انداز میں دریافت کیا۔

”کون ہے یہ شخص؟ آج سے پہلے تو یہ کبھی یہاں دکھائی نہیں دیا۔“

شیخ نے دزدیدہ نظروں سے مسند صدر پر براجمان اس پست قامت اور گٹھے ہوئے شخص کی جانب دیکھا۔ صالح کی حیات بھی اسی سمت مبذول ہو گئیں۔ وہ اب اس کی اصلیت سے واقف ہو چکا تھا۔ بظاہر معمولی دکھائی دینے والا وہ شخص ”حمید“ نہایت غیر معمولی تھا۔ اس کا شمار تیونس کے صف اول کے تاجروں میں ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ شاہ حسان کا مشیر خاص بھی تھا۔ اس کا کردار بھی کم و بیش صالح جیسا ہی تھا۔ وہ بحیثیت مشیر دربار میں سازشیوں کے خلاف تقریریں کرتا۔ شاہ حسان کو یقین دلاتا کہ عنقریب سازشیوں کا قلع قمع ہو جائے گا۔ دوسری جانب اس نے شہزادہ حمید کی سرپرستی اور راہنمائی بھی سنبھال رکھی تھی۔ وہ اسے مسند اقتدار تک لانے کے لیے بھرپور تعاون کر رہا تھا۔ شہزادے کے سوال کا جواب بھی حمید نے ہی دیا اور صالح رئیس کا مختصر تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

”اُسے قدرت کی جانب سے ایک تحفہ سمجھ لیجیے۔ یہ بہت سے قفلوں کی کنجی ہے۔ وقت پڑنے پر ہمیں سلطنت عثمانیہ کی مدد دلواسکتا ہے۔ ہسپانیہ کو ناکوں چنے چبوا سکتا ہے اور ہمیں بھی موجودہ بحران سے نہایت خوش اسلوبی سے نکال سکتا ہے۔“

”میں تو اس بات پر حیران ہوں کہ آپ لوگ کسی اجنبی پر اتنی جلدی اعتبار کیسے کر سکتے ہیں؟ میرے والد کا علم نہیں ہے کیا آپ کو؟ وہ اپنے جاسوسوں کو نہایت باہر انداز میں استعمال کر سکتے ہیں۔ اگر کبھی ہمارا یہ منصوبہ قتل از وقت ان کے علم میں آ گیا تو مجھ سمیت ہر ایک شخص بھیا تک انجام سے دوچار ہوگا۔“ شہزادہ مضطرب تھا۔

صالح رئیس اس کی کیفیات بہ خوبی سمجھ رہا تھا۔ اس نے نہایت متانت سے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

”آپ کے خدشات بالکل بجا ہیں لیکن میرے بارے میں قطعی بے فکر رہیں۔ میری گواہی وقت خود ہی دے گا۔ میں آپ سے اس حد تک تعاون کرنے کے لیے تیار ہوں کہ شاہ حسان کے حق میں قلعے میں موجود عیسائی فوج کو حرکت میں آنے سے روک دوں گا۔“

مضطرب ہو گیا۔ اسے گمان ہونے لگا کہ صالح شہزادے کی باتوں سے بدظن ہو کر اپنا ارادہ ترک نہ کر دے۔ یہ صورت حال ان کے لیے بہت تباہ کن ثابت ہوئی۔

”کیا بات ہے؟ اس قدر الجھے ہوئے کیوں ہو؟“
صمد نے تشویش سے دریافت کیا۔

”فی الوقت تو تیونس کے مستقبل پر چھائے تاریک بادلوں کی بابت فکرمند ہوں۔ شہزادے کو اقتدار مل جانے کی صورت میں بھی مجھے حالات بہتر ہوتے دکھائی نہیں دیتے۔ ہسپانیہ سے اس قدر آسانی سے نجات نہیں ملے گی۔ ان کا قلعہ اور فوج تو پھر بھی یہیں موجود رہے گی۔“ اس نے صاف کوئی سے کہا۔

”کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہم اس قدر محنت خواہنا ہی کر رہے ہیں؟ شہزادے کو اقتدار سونپ دینے کے بعد بارہ اہم عہدیداروں پر مشتمل ایک مجلس مشاورت قائم کی جائے گی۔ حکومتی فیصلے اسی مجلس کے ہاتھ میں ہوں گے۔“ وہ جلدی سے بولا۔

”ٹھیک ہے۔ آپ لوگوں کو جو مناسب لگے، کر لیجیے گا۔ میرا کام صرف اتنا ہے کہ عیسائی فوج کو شاہ حسان کی مدد سے روکوں۔ اس کے بعد سب کچھ آپ کے ہی ذمے۔ سیاہ کر سن یا سفید۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ ہاں، البتہ مستقبل میں بھی ہماری مدد کی ضرورت ہو تو کوئی پیغام بھجوا دیجیے گا۔“ صالح نے بیزاری سے کہا۔

صمد کا اضطراب سواتر ہو گیا۔ وہ اس کے قریب ہوا اور ازدارانہ انداز میں کہنے لگا۔

”جناب! ایسا مت کیجیے گا۔ ہم دونوں ہی کا تعلق عرب نسل سے ہے۔ اس ناتے ہمارا روحانی رشتہ زیادہ مضبوط ہونا چاہیے۔ کم از کم میری تو یہ شدید خواہش ہے کہ تیونس میں آنے والے اس ممکنہ انقلاب کی دید کے لیے آپ اختتام تک ہمارے ساتھ رہیں۔ باقی رہی بات مدد کی، تو وہ آپ ہی کے توسط سے حاصل کی جانی رہے گی۔“

صمد کی اس بات نے صالح کے وجود میں دلی چنگاری کو ایک شعلہ بنا کر بھڑکا دیا۔ اس لمحے ذہن میں ایک ہی سوچ تھی کہ قدرت اسے اپنے ارادوں کی تکمیل کا ایک سنہری موقع فراہم کر رہی ہے۔ عرب اتحاد کے نام پر اقتدار حاصل کر کے وہ ایسے سبھی اقدامات کر سکتا ہے جس کے خواب جانے کتنی مدت سے آنکھوں میں بے شے۔ عربوں کے لیے جہاز سازی کے کارخانے عربوں کی علیحدہ بحریہ شام سے طنجر تک کی بندرگاہوں پر عربوں کا تسلط ایک ایسا

”اے عرب ملال! تم شاید کسی نشے کے عادی ہو ورنہ اتنے بڑے دعوے نہ کرتے۔“

شہزادے کی اس بات پر صمد بے چین ہو گیا۔ اس کا یہ انداز صالح رئیس کو ناگوار گزرتا تو عین ممکن تھا کہ وہ ان کی مدد سے ہی ہاتھ اٹھا لیتا۔ قیروانی شیخ کی کیفیات بھی کم و بیش یہی تھیں۔ اس نے شہزادے کو مخاطب کر کے کہا۔

”اگر آپ کو کسی قسم کے تحفظات ہیں تو ہم آپ کو شاہ حسان کی معزولی تک کہیں روپوش کر دیتے ہیں۔“

”یہی بہتر ہے۔ موجودہ حالات و واقعات کے تحت میں کسی پر اعتبار نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔ کسی ایک پر بھی نہیں۔“ اس نے دو ٹوک کہا۔

صمد کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اسے حقیقتاً یہ بات ناگوار گزری تھی کہ ان کے خلوص و تعاون کے باوجود شہزادے کو ان پر اعتبار ہی نہیں ہے۔ اس نے خاموشی سے قیروانی شیخ کو شہزادے کے ساتھ جانے کا اشارہ کر دیا۔ ان کے جاتے ہی صالح رئیس نے بد مزگی سے کہا۔

”گستاخی معاف محترم! مجھے تو شاہ حسان کی معزولی اور شہزادے کو تخت نشین کرنے میں کوئی فائدہ نظر نہیں آ رہا۔ شہزادہ اوصالی طور پر مضبوط ہی نہیں۔“

”فائدہ تو بہر حال ہوگا۔“ صمد نے معنی خیزی سے کہا۔ ”شاہ حسان، چارلس کا باج گزار ہے۔ اس کے بیٹے کو اقتدار سونپنے کا مطلب درحقیقت عمان حکومت اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ اس طرح ہم تیونس میں مکمل اسلامی طرز حکومت اور اصلاحات نافذ کر سکیں گے۔“

صالح رئیس یہ بات سن کر خاموش ہو گیا۔ اس کے دل و دماغ میں ایک کشمکش برپا تھی۔ وہ بنیادی طور پر کسی تیونس پر بھروسہ نہیں کرتا تھا۔ اہل قیروان کی اسلام پسندی اور حب الوطنی پر اسے رتی بھر شبہ نہیں تھا۔ تاہم مجموعی طور پر ان کی اکثریت ملکی اور سیاسی امور کی سمجھ بوجھ سے محروم تھی۔ دوسری جانب سلطنت عثمانیہ سے بیزاری میں بھی ہر گزرتے دن کے ساتھ اضافہ ہو رہا تھا۔ اس کے وجود میں اب قوم پرستی کا عنصر غالب آنے لگا تھا۔ عرب ہونے کی حیثیت سے اسے خانہ بدوش ترکوں کی زیر دستی مجروح کیا کرتی۔ وہ ترکوں کا ساتھ دینے کے لیے فقط اس لیے مجبور تھا کہ خیر الدین بارہرہ نے سلطنت عثمانیہ کو اپنا سرپرست بنایا ہوا تھا۔ دل میں کہیں ایک یہ خواہش بھی پنپتی تھی کہ وہ خیر الدین کی مدد سے عربوں کو متحد کر کے انہیں اپنی تقدیر پر مختار و غالب بنا دے۔

صالح کو اپنی سوچوں میں الجھے دیکھ کر صمد شدید

بات تسلیم نہیں کرے گا اور اپنی فوج حرکت میں لے آتا۔ فوج بھی اس کا ساتھ نہ دیتی۔ پھر وہ لمحہ آتا جب وہ عیسائی فوج سے مدد طلب کرتا۔ وہ محاذ صالح کے زیرِ کمان ہوتا۔ عیسائی سپاہ بھی اس کا ساتھ نہ دیتی اور یوں شہزادہ حمید بہ آسانی مسندِ اقتدار سنبھال لیتا۔

صالح نے البتہ اس موقع پر ایک اور خدشے کا اظہار کرتے ہوئے ان کی توجہ شہزادہ حمید کی جانب مبذول کروائی۔ مستقبل قریب میں اگر وہ ان کے زیرِ اثر رہنے سے انکاری ہو جاتا تو سارا منصوبہ ہی چوہٹ ہو کر رہ جاتا۔ صالح کے نزدیک بادشاہت کا وجود ہی ان کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ تھا لیکن البتہ یہ تھا کہ بادشاہت کے بغیر ملکی انتظام و انصرام رواں بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ صدر نے ایک لمحاتی توقف کے بعد جواب دیا۔

”تاریخ گواہ ہے کہ بادشاہت کے بغیر بھی ملکی انتظام و انصرام رواں رہ سکتا ہے۔ آج سے سترہ اٹھارہ سو سال قبل فقیہ کے تاجر حکمران تھے۔ ہمل کر برقہ، بینی بال اور ہمدرو بال ان کے نامور سرسالا رگز رہے ہیں۔ ان کا طرز حکومت یہ تھا کہ سوا فرد پر مشتمل ایک مجلس حکومت کرتی۔“

”خوب! یہ تجربہ تو ہم بھی کر سکتے ہیں۔“ قیروانی شیخ پر جوش ہوا۔ ”سو کے بجائے پچیس افراد پر مشتمل مجلس تشکیل دے لی جائے گی۔“

”یہ تجویز بظاہر بہت خوش کن لیکن عملی طور پر ناقابلِ نفاذ ہے۔ بادشاہت کے اس دور میں بیک وقت اتنے بادشاہوں کی حکومت کون تسلیم کرے گا؟“

صالح کے اس اعتراض پر قیروانی شیخ اور صدر ایک بار پھر سوچ میں مبتلا ہو گئے تاہم اس فیصلے کی حتمی شکل شاہ حسان کی معزولی تک مؤخر کر دی گئی۔ اس ملاقات اور بحث و تحقیص کے بعد انہوں نے اپنے منصوبوں پر عمل درآمد کے لیے کمر کس لی اور بنیادی نکتہ فراموش کر بیٹھے کہ شاہ حسان کے اہلکار انہی کے درمیان موجود تھے۔ وہ اس سازشی اتحاد کی خبریں بادشاہ کو فوری طور پر پہنچا رہے تھے۔ شاہ حسان فی الوقت کسی مصلحت کے تحت ہی کوئی رد عمل دینے سے گریزاں تھا۔ وہ انہیں کسی خاص وقت میں مشترکہ طور پر شکار کرنا چاہتا تھا۔

دوسری جانب صالح رئیس بھی ایک حقیقت سے بے خبر تھا کہ اس کے عملے میں خیر الدین باربروسہ اور سلطان سلیمان کے خصوصی اہلکار موجود ہیں۔ وہ اس مہم کے آغاز سے ہی صالح کی نگرانی پر مامور تھے لہذا سلطان سلیمان تک

خواب تھا جسے صالح رئیس سلطنت عثمانیہ کے ماتحت خیر الدین پیالی پاشا اور درگوت کی موجودگی میں مکمل کر ہی نہیں سکتا تھا۔ اسے درگوت اور صنعان کے سامنے اپنی صلاحیتوں کی نظر اندازی ہمیشہ خار بن کر چبھتی تھی۔ وہ انتہائی لمحات تھے۔ صالح نے اپنے ان ساتھیوں کا دیرینہ تعلق ان کی محبت و خلوص اور جدوجہد ایک ہی ہل میں نظر انداز کر دیں۔ عرب اتحاد اور عرب بحریہ کے علیحدہ قیام نے بعصارت ہی نہیں بلکہ بصیرت کو بھی چکا چوند کر دیا تھا۔ اسے اپنا وجود شام سے طنز تک کی طویل ترین ساحلی پٹی کا بلا شرکت غیرے اور طاقتور ترین حکمران محسوس ہونے لگا۔ دل و دماغ پر ایک ہی سوچ دسک دے رہی تھی کہ قدرت نے اسے بہترین وقت پر تیونس بھیجا ہے۔ وہ یہاں اپنی صلاحیتیں منوانے کے ساتھ خیر الدین باربروسہ کی طرح بہترین انفرادی شناخت حاصل کر سکتا ہے۔

ان خیالات سے مغلوب ہو کر اس نے صدر کو مکمل یقین دہانی کروائی کہ وہ تیونس کے حالات میں تبدیلی کے لیے ہر طرح سے ان کے ساتھ تعاون کے لیے تیار ہے۔ اسی اثناء میں قیروانی شیخ بھی وہاں چلا آیا اور صالح سے معذرت کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”شہزادہ کسی اجنبی پر اعتبار کرنے سے خائف تھا میرے عزیز! وہ اس وقت اپنی ذہنی کیفیات کی وجہ سے شدید تحفظات کا شکار ہے۔“

”میں اس کی کیفیات سمجھ سکتا ہوں۔“ صالح نے متانت سے کہا۔ ”عین ممکن ہے کہ تم دونوں بھی میرے بارے میں ایسا ہی کچھ سوچتے ہو۔ میں نے چند لمحے پہلے تیونس سے جانے کا ارادہ جتایا اور اب یہاں قیام کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس کشمکش پر تم دونوں بھی یقیناً مشتعل ہو گے لیکن اب میں تمہیں کسی دعوے میں نہیں رکھوں گا۔ میرے ذہن نے عرب اتحاد کا خیال بھجایا ہے۔ میں ترکوں کے مقابلے میں ایک الگ بحریہ قائم کرنا چاہتا ہوں۔“

”خوب! اس طرح تو ہم ترکوں کے تسلط سے آزاد ہو جائیں گے۔ عرب دنیا میں باربروسہ جیسا نام بھی پیدا کر سکیں گے۔“ قیروانی شیخ کے خواب بھی یکدم عود آئے۔

اگلے کچھ لمحے وہ شاہ حسان کی معزولی کے مراحل کی حکمت عملی طے کرتے رہے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ وزراء اور سلطانی عہدیداران کو غائب کر دیا جائے۔ اس کے بعد ان میں سے کوئی ایک شہنشاہ حسان سے بیٹے کے حق میں حکومت سے دستبرداری کا مطالبہ کر دے۔ شاہ یقینی طور پر یہ

ان کے حکمران بن گئے ہیں۔ وہ عرب علاقوں میں بھی اپنے نمائندے حاکم بناتے ہیں۔ عربوں کا یہ استحصال مزید جاری نہیں رہنا چاہیے تھا۔ لوری اس کے ان خیالات پر دکھ و تاسف سے خاموش ہو کر رہ گیا۔

صالح رئیس اپنے منصوبوں پر بہت برقی رفتاری سے عمل پیرا تھا۔ اس کے مشورے پر قیروانی شیخ نے شہزادے کو ایک غار میں روپوش کر دیا تاکہ بادشاہ کو معزول کرنے کے بعد اسے بہ حفاظت حلیفوں کے ماتین محل میں پہنچایا جاسکے۔

ایک طرف یہ سرگرمیاں جاری تھیں تو دوسری جانب شاہ حسان کو اس سازش میں ملوث باغیوں کی فہرست تسمادی گئی۔ اس کے پاس ہی موجود صمد کی رنگت بے طرح متغیر ہوئی۔ اسے اپنا منصوبہ اور خواب ہی نہیں بلکہ اپنی ذات کے پر فچے اڑتے بھی دکھائی دیے تھے۔ اگلے چند لمحے دشوار ترین تھے۔ پھر صمد کو اپنی رکتی سانسیں بحال ہوتی محسوس ہوئیں۔ فہرست میں صمد کا نام شامل نہیں تھا۔

”اس فہرست میں صالح رئیس کا نام شامل نہیں ہے لیکن میرا حکم ہے کہ اس عرب صلاح کو گرفتاری کے بعد میرے پاس علیحدہ پیش کیا جائے۔“ اس نے صمد کو مخاطب کیا۔

”ایسا ہی ہوگا بادشاہ سلامت! آپ کے ہر مجرم کو عبرتناک سزا دی جائے گی۔“ صمد نے فوراً یسین دلایا۔

”الجزائر سے کیا اطلاعات آئی ہیں؟“ شاہ حسان کا اشارہ چارلس کی جانب سے موصول ہونے والی امداد کی طرف تھا۔

جوابی طور پر صمد نے تفصیلاً چارلس پر پڑنے والی موسمی افتاد بوجیہ میں قیام اور خیر الدین باربروسہ کے ڈیڑھ سو جہازوں کے بحری بیڑے کے تعاقب سے آگاہ کر دیا۔ صمد نے اسے اس بات کا بھی دلاسا دیا کہ چارلس نے محض پسائی اختیار کی ہے لہذا تیوسی عیسائی فوج ان کی مدد کرنے کی قطعی پابند ہے۔

”باغیوں کو سزا دینے کا عمل کب شروع ہوگا؟“ اس نے بے چینی سے دریافت کیا۔

”بہت جلد بادشاہ سلامت لیکن ناچیز کا مشورہ ہے کہ اس مرحلے کو کل تک مؤخر کر دیں۔ میں آج سب باغیوں کے نام ایک خصوصی شاہی مراسلہ جاری کرواؤں گا جس کی رو سے انہیں علم ہوگا کہ وہ بادشاہ کی جانب سے حسن کارکردگی کے صلے میں خصوصی انعام و اکرام کے مستحق قرار

صالح پر قومیت پسندی کے غلبے کی خبر سب سے پہلے پہنچی۔ اس کے بعد باربروسہ کے نمائندوں نے بھی یہ اطلاع فراہم کر دی کہ ابتدائی چند روز دیانت و ارادہ انداز میں کام کرنے کے بعد صالح ”عرب اتحاد“ کے درپے ہو گیا ہے۔ باربروسہ کے لیے سب سے تکلیف دہ خبر یہ تھی کہ صالح تیونس کی سیاست میں گھلے گھلے دھنس چکا ہے۔ اس نے سلطنت عثمانیہ کو ترک خانہ بدوشوں کی حکومت قرار دے کر اس کے مقابلے میں بحریہ کا قیام ضروری سمجھا ہے۔ اگر یہی قیام وہ مسیحی بحریہ کے مقابلے میں کرتا تو باربروسہ کے دل میں اس کی قدر و منزلت بے پناہ بڑھ جاتی۔

اس ذہنی فتنے کے بعد اب صالح کا باربروسہ کی بحریہ میں شامل رہنا ممکن ہی نہیں تھا۔ خیر الدین کو بوجھل دل و دماغ سے اب کچھ اہم فیصلے کرنے تھے۔

☆☆☆☆

سلطان سلیمان اور خیر الدین تک پہنچنے والی ان اطلاعات سے بے خبر صالح اپنے خوابوں کی تکمیل میں دوڑ دھوپ کرتا رہا۔ اس نے قلعہ دار کو اس بات کے لیے راضی کر لیا کہ شاہ حسان کی جانب سے امداد طلب کیے جانے پر فوری رد عمل کا مظاہرہ نہ کرے۔ مدد کا بہلا وادے کر وقت گزاری کرتے رہتا ہی بہتر تھا۔ اس دوران شہزادہ حمید اقتدار سنبھال لیتا۔ ایک کمزور اور ناتجربہ کار شخص کی حکمرانی ان کے لیے بہت کارآمد ثابت ہوتی۔

قلعہ دار اس کی باتوں سے قائل ہو گیا۔ کچھ روز بعد صالح نے شہزادے سے ملاقات کی۔ اسے قلعہ دار کے اپنی ذات پر اعتماد اور اپنے اقدامات کے متعلق بتا کر ذاتی اعتبار میں اضافہ کر لیا۔ وہ دوطرفہ سیاست کے یہ معاملات بہت خوش اسلوبی سے رواں رکھے ہوئے تھا۔

ان کوششوں میں مگن صالح کو پہلی بد مزگی کا سامنا اس وقت کرنا پڑا جب اس کے ساتھیوں نے تیونس سے روانگی کا اصرار شروع کر دیا۔ وہ تیونس میں اس کی حد درجہ دلچسپی کی وجہ سے بہر حال بے خبر نہیں تھے۔ ان میں ”لوری“ نامی ایک یونانی نژاد ساتھی نے اسے بہتیرا سمجھایا کہ سلطنت عثمانیہ، ملت اسلامیہ کی بہتری کے لیے ہی کوشاں ہے۔ اس سے کسی قسم کا عناد رکھنا جائز نہیں۔ صالح نے اس کی کسی بھی بات پر کان نہ دھرایا۔ اس کی قوم پرستی اور تعصب اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ کسی مثبت پہلو کی جانب دھیان جا کے ہی نہ دیتا۔ اس کے ذہن میں ایک ہی سوچ راسخ ہو چکی تھی کہ ترک، اسلام کے نام پر

پائے ہیں۔ انعام کا یہ لالچ انہیں کہیں بھی فرار نہیں ہونے دے گا اور وہ سر کے بل دوڑتے ہوئے دربار میں چلے آئیں گے۔“

شاہ حسان نے پُرسوج انداز میں سر کو جنبش دی۔ اسے صدمہ کی یہ تجویز بہت پسند آئی تھی۔

اگلے روز ہر عہدیدار کا لباس، امید اور باوقار انداز دیدنی تھا۔ یہ سبھی افراد دیوان عام میں براجمان تھے۔ یہ عمارت بادشاہ کی شاہی مسند کے سامنے موجود تھی۔ صمد بادشاہ کے دائیں جانب موجود تھا۔ شاہ حسان نے غداروں کی فہرست کاتب کو تھادی تاکہ وہ اس کے اشارہ کرتے ہی غداروں کے نام پکارنا شروع کر دے۔ اس کے بعد بادشاہ نے مخصوص انداز میں تالی بجا کر سپاہیوں کا دستہ طلب کیا۔ یہ اشارہ پاتے ہی عقیقی دروازے سے مسلح سپاہیوں کا ایک دستہ برآمد ہوا اور اس کے ایک جانب کھڑا ہو گیا۔ شاہ حسان کے اشارے پر غداروں کے نام یکے بعد دیگرے پکارے گئے۔ اپنا نام سنتے ہی ہر عہدیدار نشست سے کھڑا ہوتا اور لباس کی تلاشی کے بعد ایک جانب جا کھڑا ہوتا۔ ان کے دل انعامات کے تصور سے بلبوں اچھل رہے تھے۔ صالح رئیس کا نام سب سے آخر میں پکارا گیا اور اس کے سامنے آتے ہی شاہ حسان بے طرح چونک گیا۔

”یہ شخص تو خیر الدین باربروسہ کا ساتھی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس سازش کا اصل روح رواں باربروسہ تھا۔“ وہ ہڑا کر کہنے لگا۔

صالح اس کی کیفیت سے بہت محظوظ ہوا۔ ”تو نے مجھے بالکل درست شناخت کیا لیکن افسوس تجھے اس شناخت پر تاسف یا خوف محسوس کرنے کا زیادہ وقت نہیں ملے گا۔“

شاہ حسان کو اس کے اطوار کھلنے لگے۔ صمد نے اسے نہایت ملامت سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”بادشاہ سلامت! فہرست میں ایک غدار کا نام موجود نہیں ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر میں نے الگ کاغذ برانداز کیا تھا۔“

شاہ حسان نے اس کے ہاتھ سے کاغذ تھام لیا اور درج شدہ نام پڑھ کر بدک گیا۔

”شہزادہ حمید بن حسن..... وہ تو فرار ہو چکا ہے۔ اس کا نام کیوں پکارا جائے گا؟“

”ہم نے شہزادے کی جائے پناہ تلاش کر لی ہے۔“ صمد نے اس کی کیفیت سے مزید حفا اٹھایا۔

”ان سب غداروں کو موت کی سزا دی جاتی ہے۔ ان کی گردنیں اڑادی جائیں۔“ شاہ حسان نے طیش میں کہا۔

”ایسا کیسے ممکن ہے جناب؟“ وہ معصومیت سے بولا۔ ”دنیا کی کوئی بھی عدالت ملزم کو اپنی صفائی میں دلائل دینے کا حق ضرور دیتی ہے۔“

”میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ ان بیسیوں افراد کے دلائل سنتا پھروں۔“ اس نے جھنجھلا کر جواب دیا۔

”تو ان کی وکالت میں کیے لیتا ہوں۔ انہوں نے بھی آپ کے خلاف ایک مقدمہ دائر کرنا ہے جس میں یہ فرد جرم عائد ہے کہ آپ نے اپنے سامنے اندلس کی عیسائی سپاہ سے تیونس میں لوٹ مار کروائی، قتل و غارت کا بازار گرم کیا اور خواتین کی آبروریزی پر بھی مجرمانہ غفلت اختیار کی۔“ صمد اطمینان سے بولا۔

”ان کمتر لوگوں کی کیا مجال کہ یہ میرے خلاف اس طرح مقدمے دائر کرتے پھریں؟ میں ان سب کی گردنیں اڑا دوں گا۔“ وہ طیش میں چٹایا اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان کے سر قلم کر دیں۔

سپاہی اپنی جگہ پر بالکل ساکت کھڑے رہے۔ ان کا یہ انداز دیکھ کر شاہ حسان کا دماغ الٹ گیا۔ وہ غصے میں مغالطات کی بوچھاڑ کرتا اب اس سازش کی مکمل اصلیت بھانپ گیا تھا۔ اسی دوران شہزادہ حمید بھی کسی جانب سے نمودار ہوا اور سپاٹ نظروں سے والد کی یہ کیفیات دیکھنے لگا۔ شاہ حسان اب چیخ چیخ کر قلعہ دار اور عیسائی فوج کو اپنی مدد کے لیے پکار رہا تھا۔ صمد آگے بڑھا اور اس کے سر سے تاج نوح کراتار لیا۔ قیروانی شیخ بھی آگے بڑھا اور ایک تلوار کی نوک اس کی پشت سے لگا دی۔ اس کے اشارے پر صالح رئیس نے ایک کاغذ شاہ حسان کو تھمایا اور سفاکی سے کہنے لگا۔

”اس پر دستخط کر دو فوراً ورنہ یہ تلوار تمہارے بدن میں پیوست ہو جائے گی۔“

شاہ حسان نے پھٹی نظروں سے کاغذ کا جائزہ لیا۔ اس میں مختلف الزامات پر فرد جرم عائد کی گئی تھی۔ اس نے کبکپاتے ہاتھوں سے دستخط کر دیے۔ اس کے بعد شاہ حسان کو دھکیلتے ہوئے ایک جانب لے جایا گیا۔ صمد نے نہایت احترام سے شہزادہ حمید کا بازو تھاما اور مسند پر بٹھا کر تاج اس کے سر پر سجا دیا۔ اس کے اگلے حکم پر شہر بھر میں چراغاں اور جشن کا اہتمام کیا جانے لگا۔

اس ماحول اور رنگینی سے لطف اندوز ہوتے صالح

صالح رئیس کو اپنے قدموں تلے حقیقتاً زمین کھسکتی محسوس ہوئی تھی۔ اب وہ بار برس کی نظروں میں دائمی طور پر معتبوب ہو چکا تھا۔
”تو تمہارا عرب اتحاد کیسے پر دان چڑھے گا اب؟ جہاز سازی کے کتنے کارخانے قائم کر لو گے؟“ قلعہ دار نے ایک بار پھر طنز کیا۔

”کاش عرب اس قابل ہوتے۔“ وہ تنگی سے بولا۔
”لیکن میں بھی اپنے اس خواب کو شرمندہ تعبیر ضرور کروں گا۔“
”تمہارے اس دھوکے کے جواب میں میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں گرفتار کر کے ہسپانیہ روانہ کر دوں لیکن اس سے مجھے کوئی بھی ذاتی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ دوسرا خیال یہ بھی آتا ہے کہ تم ہسپانیہ کی بحریہ میں جگہ حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اس طرح تم بار برس سے انتقام بھی لے سکتے ہو۔“ قلعہ دار نے اسے نئی تجویز دی۔

”قزاقیت تو میں ضرور شروع کروں گا۔ عرب اتحاد بھی قائم کر کے دکھاؤں گا۔“ وہ پُر غرور تھا۔
”اپنے نئے شاہی دوستوں کے متعلق کسی مدد کے گمان میں مت رہنا۔ یہاں کوئی کسی کا دوست نہیں ہوتا۔“ قلعہ دار نے تنبیہ کی۔

صالح رئیس وہاں سے رخصت ہو کر قیروانی شیخ کے پاس چلا آیا جس نے شاہ حسان کی آنکھوں میں آتشیں سلامتیاں پھیرنے اور غداروں کو عبرتناک سزائیں دینے جانے کی رسم سے آگاہ کیا۔ صالح کو اس بات پر شدید حیرانی تھی کہ چند گھنٹوں میں ہی شہزادے کو سلطنت میں کون سے غدار نظر آنے لگے ہیں۔ اس نے قیروانی شیخ کو بھی اپنی حیرت سے آگاہ کیا تو وہ بے نیازی سے کہنے لگا۔

”یہ امور سلطنت ہیں۔ آپ ابھی ان سے واقف نہیں۔ آپ نے فی الوقت بحری دنیا کے رموز دیکھے ہیں۔ یہ دنیا بالکل ہی منفرد ہے۔“

صالح اس کی بات سن کر خاموش ہو گیا۔ قیروانی شیخ اسے اپنے ہمراہ لیے شاہی محل روانہ ہو گیا۔ انہیں محل میں داخلے کے لیے کسی بھی روک ٹوک کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ نئے بادشاہ حمید نے ان کی آمد کی اطلاع سن کر انہیں ”دارالصفیاء“ پہنچانے کا حکم دے دیا۔ صالح رئیس ہر ایک شے کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ دارالصفیاء والے کمرے میں نشستوں کا انتظام بہترین تھا تاہم کہیں بھی کوئی ذی نفس دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ قیروانی شیخ صالح کو کمرے کی آرائش و ترتیب کے پس منظر سے آگاہ کرنے لگا۔ مخصوص

کچھ دیر بعد قلعہ دار سے ملاقات کے لیے چل دیا۔ قلعہ دار حالات کی اس نئی کروٹ پر سخت مضطرب تھا۔
”یہ سب بہت غلط ہوا ہے۔ شاہ حسان کو معزول نہیں کیا جانا چاہیے تھا۔“ اس نے گہری نظروں سے صالح کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ سب اہل تونس کے اندرونی معاملات ہیں۔ جو ہوا اچھا ہی ہوا ہوگا۔“ صالح نے دانستہ طور پر بے نیازی جتائی۔
”ہاں، یہ بات تو تے بالکل درست کہی۔ جو ہوا اچھا ہی ہوا۔ کم از کم اس سے مجھے اتنا تو علم ہو گیا کہ تو خیر الدین بار برس کا ساتھی ہے۔“

قلعہ دار کی اس باخبری نے صالح کو وقتی طور پر گڑبڑا دیا۔ اسے اپنی کم اندیشی پر بھی تاؤ آیا تھا کہ دربار میں عیسائی اہلکاروں کی موجودگی اس بار بھی کیونکر فراموش کر دی۔ اس نے سنبھلتے ہوئے قلعہ دار کو جواب دیا۔

”میرا ماضی جو بھی رہا ہو، میں تم لوگوں کے تعاون سے بحری قزاقی کا آغاز اب بھی کرنا چاہتا ہوں۔“

”یہ قزاقی کاغذ کے جہازوں پر کرو گے کیا؟“ قلعہ دار درشتی سے کہنے لگا۔

”تیرا دماغ تو نہیں چل گیا۔ میرے پاس دو جہاز اور عملہ موجود ہے۔“ صالح کو اس کے انداز پر غصہ آیا۔

”تیرا اس میں کوئی تصور نہیں۔“ وہ طنز اُٹھا۔ ”تو نے مجھے دھوکے میں رکھا اور جوابی طور پر تجھے بھی دھوکا ہی ملا۔“

یہ کہہ کر قلعہ دار نے ایک کاغذ اس کی جانب بڑھا دیا۔ اس میں درج عبارت نے صالح کے ہوش اڑا دیے۔

اس کے نائب نوری نے واضح طور پر لکھا تھا کہ عملہ، صالح کی دہری روش سے بالکل مطمئن نہیں تھا۔ اس نے خیر الدین کی جانب سے سوچی گئی ذمہ داری کو نظر انداز کرتے ہوئے

تونس کی سیاست میں الجھ کر بہت بڑی غلطی کی تھی۔ سلطنت عثمانیہ کے مقابلے میں عرب بحریہ اور عرب اتحاد کا قیام

مصری بغاوت تھی۔ اس دوران صالح نے ایک بار بھی حسن آغا سے رابطہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کی

باغیانہ روش سے بچک آکر ہی نوری نے بار برس سے خود رابطہ کیا تھا۔ اسے ساری صورت حال سے آگاہ کرنے کے

بعد وہ اسی کے حکم پر عملے سمیت رہوڈز روانہ ہو رہا ہے۔ اس خط کے اختتام پر نوری نے صالح کی اعلیٰ بحری صلاحیتوں کا

اعتراف کرتے ہوئے اس کے ذہنی فتور پر تاسف کا اظہار کیا تھا۔ وہ اس کے راہ راست پر آنے اور بہترین مستقبل

کے لیے دعا گو بھی تھا۔

زور نگار کرسی پر شاہ حمید کو برا بھلا ہونا تھا۔ دیگر کرسیوں پر شاہ کے وفادار اور جانثار اپنی نشستیں سنبھالتے۔

صالح کو بائیں جانب ایک انوکھا منظر دکھائی دیا۔ وہاں بڑے بڑے تختوں سے چوڑے چوڑے لکڑیوں کے ٹکڑے جڑے ہوئے تھے جن سے لوہے کی لنگڑی زنجیریں بھی منسلک تھیں۔ قیروانی شیخ اسے ہر ایک گوشے سے آگاہ کرتا رہا۔ صالح کو اس کا انداز بہت عجیب محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا رویہ کچھ ایسا تھا کہ وہ یہاں کا منتظم اعلیٰ بن گیا ہو۔ انہی سوچوں میں اچھے اب وہ شیخ کے ساتھ ایک ایسی کونٹھری تک چلا آیا جہاں گڑھے میں شدید آگ دھک رہی تھی۔ صالح کو اس آگ کے اندر لوہے کی دو سلاخیاں بھی دبی ہوئی نظر آئیں۔

”یہ سلاخیاں کس لیے ہیں اور آپ نے مجھے ان زنجیروں کے متعلق بھی کچھ نہیں بتایا؟“ صالح نے پوچھا۔

”یہ سلاخیاں تھوڑی دیر بعد شاہ حسان کی آنکھوں میں پھیر دی جائیں گی اور زنجیروں والے تختوں سے غداروں کو جکڑا جائے گا۔ اس کے بعد ان کے لیے مختلف سزائیں تجویز ہوں گی۔“ اس نے بے نیازی سے بتایا۔

صالح گہری خاموشی سے وہاں ہر شے کا جائزہ لیتا رہا۔ اس خاموشی کی ایک بڑی وجہ قیروانی شیخ کا رویہ بھی تھا۔ وہ اس وقت صمد کی طرح برتاؤ کرتا دکھائی دے رہا تھا اور محل میں داخلے کے بعد صمد کہیں دکھائی ہی نہیں دیا تھا۔ صالح بے اختیار اس کی بابت دریافت کر بیٹھا۔

”مضطرب کیوں ہو رہے ہیں؟ صمد سے بھی بہت جلد ملاقات ہو جائے گی۔ تم فی الحال عرب بحریہ کے قیام میں سرمایہ کاری کا تخمینہ لگا کر مجھے آگاہ کرو۔“ قیروانی شیخ نے یکدم اپنا انداز مخاطب تبدیل کیا۔

اسی اثناء میں شاہ حمید نے انہیں اپنے پاس طلب کر لیا۔ قیروانی شیخ موقع غنیمت جان کر عرب بحریہ کے قیام کی اہمیت بیان کرنے لگا۔

”یہ کام اتنا بھی آسان ثابت نہیں ہوگا۔“ شاہ حمید نے اسے فوراً ٹوکا۔ ”سب سے پہلی رکاوٹ تو سرمایہ کاری میں کمی ہے۔ ہمارے پاس اتنا سرمایہ ہی کہاں ہے کہ جہاز سازی کے کارخانے قائم کر سکیں۔ اس کے بعد ہسپانوی قلعہ دار مخالف بن جائے گا۔ وہ ہمارا ایک بھی جہاز حلق الوید میں نہیں اترنے دے گا۔“

”چارلس کی شہنشاہی اور در ماندگی ابھی اس قابل نہیں کہ وہ اپنے قلعہ دار کی کوئی مدد کر سکے۔ پھر ہمارے ساتھ صالح رئیس بھی تو ہے۔ یہ بار برسہ کو ہمارا پیغام پہنچا کر اس کی امداد

فراہم کروادے گا۔“ قیروانی شیخ نے فوراً اگلی تجویز دی۔

”ایسا کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ بار برسہ چارلس کا حریف ہے۔ ہم اسے اپنی مدد کے لیے کیسے طلب کر سکتے ہیں؟“ شاہ حمید نے پھر ٹوکا۔

ان دونوں کی بحث نظر انداز کیے صالح رئیس اپنی ہی سوچوں اور خدشات میں الجھا ہوا تھا۔ اس نے تاحال قیروانی شیخ کو اس حقیقت سے آگاہ نہیں کیا تھا کہ بار برسہ اور اس کے تعلقات منقطع ہو چکے ہیں اور اب وہ اس سے امداد طلب کرنے کا مجاز ہی نہیں۔

دوسری جانب قیروانی شیخ بھی شاہ حمید کو قائل کرنے میں ناکامی پر خاصی مایوسی کا شکار ہو رہا تھا۔ اس نے شکست سے اتنا کہہ کر گفتگو کا اختتام کر دیا۔

”آپ کی بادشاہت میں اب محض چند گھنٹے ہی باقی رہ گئے ہیں۔ آپ کے والد کی آنکھوں میں آتشیں سلاخیاں پھیرنے اور غداروں کی ہلاکت میں بھی اب زیادہ وقت نہیں۔ اس لیے عرب بحریہ کے مسئلے پر کوئی حتمی بات ہو جانا ہی بہتر ہے۔“

شاہ حمید نے اس کی بات نظر انداز کر دی۔ اگلے چند گھنٹے بھی گویا چشم زدن میں ہی بیت گئے۔ قیروانی شیخ، صالح رئیس کو دوبارہ محل کے مخصوص حصے میں لے گیا۔ کچھ ہی دیر میں بادشاہ حمید بھی وہاں پہنچ گیا۔ صالح رئیس کو یہ دیکھ کر کافی اچنبھا ہوا کہ اس کے محافظ دستوں میں ایک بھی سابقہ یا شاسا چہرہ موجود نہ تھا۔ یہ سبھی محافظ قیروانی تھے اور یہ بات بھی واضح تھی کہ ان کا تقرر قیروانی شیخ نے ہی کیا تھا۔ اس کے بعد ان قیدیوں کو تختوں سے منسلک زنجیروں سے جکڑ دیا گیا۔

صالح رئیس کے لیے اپنی بصارت پر یقین کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ اس کے سامنے ان چہروں کی دید بھی جنہوں نے شاہ حسان کی معزولی میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ صالح کو تو اب تک یہ گمان تھا کہ وہ سبھی افراد اعلیٰ انتظامی عہدوں کے مستحق قرار پائیں گے لیکن صمد جیسے با اختیار اور ذی شعور شخص کو بھی انہی قیدیوں میں دیکھ کر اس کی سٹی گم ہو گئی۔ صالح، قیروانی شیخ کو کسی دوسرے معاملے میں متوجہ دیکھ کر صمد کے پاس گیا اور وہی آواز میں پوچھنے لگا۔

”یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا؟ تیرا اور تیرے ساتھیوں کا ایسا انجام تو میں نے تصور میں بھی نہیں سوچا تھا۔“

صالح کی اس بات پر صمد نے قیروانی شیخ کو ڈھیروں مغالطات سے نوازتے ہوئے کہا۔

خواب ہی رہتا محسوس ہو رہا تھا۔ صمد کا آخری انکشاف یاد کر کے اب یہاں مزید قیام کا خیال بھی احمقانہ تھا۔ اس نے صالِح رئیس کو اپنا وجود خلا میں معلق محسوس ہوا۔ وہ خیر الدین بار بروسہ کے پاس لوٹ سکتا تھا نہ ہی عربوں کے ساتھ مزید قیام کر سکتا تھا۔ اس کی آخری امید الجزائر تھا جو اسے قبول کر سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں فرار کا منصوبہ بہت تیزی سے پروان چڑھ رہا تھا۔ وہ اپنے اس منصوبے پر بہت تیزی سے عمل درآمد کرنا چاہتا تھا کیونکہ اسی صورت میں وہ عیسائی قلعہ دار کی آمد سے قبل منظر عام سے غائب ہو سکتا تھا۔

صالِح براستہ خشکی الجزائر روانہ ہو گیا۔ اس سفر کے دوران بھی وہ مسلسل ذہنی آزار میں مبتلا تھا کہ بار بروسہ اس کا جرم بھی معاف نہیں کرے گا۔ ترک بجزیرہ اور سلطنت عثمانیہ کے خلاف عرب بحریہ کے قیام کی کوشش سنگین جرم اور بغاوت سے کم نہ تھی۔

شب دروز کا یہ سفر بالآخر الجزائر میں اختتام پذیر ہوا۔ وہاں کی صورت حال ابتر تھی۔ ساحل پر شکستہ جہازوں کا ڈھیر دکھائی دے رہا تھا۔ حملہ آوروں کی پھیلائی گئی گندگی کی صفائی کا عمل بھی جاری تھا۔ ہر طرف متعفن لاشوں کی بدبو سانس لینا دشوار کرنے لگی۔ صالِح رئیس کو حسن آغا کی تلاش تھی۔ وہ ساحل پر بھٹکتے ہوئے حسن کو تلاش کرنے میں مگن تھا کہ اسے بار بروسہ کا ایک اور قریبی ساتھی دکھائی دیا۔ وہ بھی صالِح کی جانب ہی متوجہ تھا۔ اس کی طیش زدہ نظروں اور چہرے پر درد آنے والی سختی سے صالِح کو اندازہ ہو گیا کہ بار بروسہ نے اس کی باغیانہ روش کے متعلق سبھی کو مطلع کر دیا ہے۔ وہ سر جھٹکتے ہوئے ایک بار پھر حسن آغا کی تلاش میں مگن ہو گیا۔

حسن ان دنوں پہاڑی دروں میں لاشوں کو ٹھکانے لگا رہا تھا۔ صالِح سے اس کی ملاقات بھی پہاڑی درے پر ہی ہوئی۔

”کہاں سے آرہے ہو بھی اور اکیلے کیوں ہو؟“ اس نے تپاک سے دریافت کیا۔

”تیونس سے تنہا ہی آیا ہوں۔ میرا اب کوئی ساتھی نہیں ہے۔“

صالِح کے اس انکشاف اور پھر ذریعہ سفر نے حسن آغا کو دنگ کر دیا۔

”بار بروسہ سے تیرا کوئی رابطہ ہوا ہے کیا؟“ صالِح نے اس کی کیفیت نظر انداز کرتے ہوئے دریافت کیا۔

”نہیں، اس خطہ میں موسم نے موقع ہی کہاں دیا۔“

”یہ سب اسی ملعون کا کیا دھرا ہے۔ اسی نے ہم سب کو گرفتار کر دیا ہے۔“

”لیکن شاہ حمید کی عقل پر کیوں پتھر پڑ گئے ہیں؟ وہ اس قدر احسان فراموش کیسے ہو گیا کہ خود کو اقتدار میں لانے والوں کو ہی مجرم بنادیا؟“ صالِح مزید حیران ہوا۔

”یہ بھی اسی بد طبیعت انسان کا کیا دھرا ہے۔“ صمد نے دانت پیسے۔ ”اس نے شاہ حمید کو یہ باور کروایا ہے کہ شاہ حسان سے غداری کرنے والے مستقبل میں اس کے خیر خواہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ یہ موقع ملے ہی کسی نے شخص کو اپنا بادشاہ بنالیں گے۔“

صالِح نے یہ سن کر تاسف سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”یعنی اب تیونس کو قیروانیوں نے یرغمال بنالیا ہے

لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آرہی کہ اس سازش میں تو خود میں بھی شریک تھا پھر قیروانی شیخ نے مجھے اب تک کیوں آزاد چھوڑا ہوا ہے؟“

”کیونکہ وہ تمہارے تعاون سے عرب بحریہ قائم کرنا

چاہتا ہے۔ ایک بار اس بحریہ کا وجود عمل میں آگیا، اس کے

بعد وہ اپنا نام بطور ”بانی“ درج کروا کے تمہیں بھی بلاتا مل

قتل کروادے گا۔“ صمد نے انکشاف کیا۔

صالِح کا بدن سننا کر رہ گیا۔ اس کے مزید کچھ بھی

کہنے سے قبل قیروانی شیخ دوبارہ اسی سمت چلا آیا۔ اس کے

ساتھ پانچولاں شاہ حسان بھی تھا۔ چند ہی لمحوں میں شاہ حمید

مسند شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔ اس کے بیٹھے ہی نئے محافظوں

اور نئے درباری اراکین نے بھی اپنی نشستیں سنبھال لیں۔

قیروانی شیخ نے شاہ حسان کی فرد جرم پڑھ کر سنائی اور اسے

ناچیتا کر دینے کی سزا کا اعلان کر دیا۔ دیگر باغیوں کے لیے

البتہ سولی پر چڑھائے جانے کی سزا تجویز ہوئی۔ شاہ حمید

نے فوراً سزائے پر دستخط کیے اور بے تاثر نگاہوں سے

اپنے والد کی جانب دیکھنے لگا جسے زبردستی فرش پر لٹانے کے

بعد کئی آدمی دبوچ کر وہیں بیٹھ گئے تھے۔ شاہ حسان کی چیخ

دیکار اور التجائیں دل دہلائے دے رہی تھیں۔ جھشیوں نے

اشارہ پاتے ہی اس کی آنکھوں میں سلاخیاں پھیر دیں۔

کر بناک چپیں ختم کرنے کے لیے منہ میں ڈھیروں روٹی

ٹھونس دی گئی۔

دیگر قیدیوں میں سب سے پہلے صمد کو سولی پر چڑھایا

گیا۔ اس کے بعد دیگر اہم عہدیداران کو بھی اسی انداز میں

عدم روانہ کر دیا گیا۔ صالِح رئیس یہ مناظر دیکھ کر اپنے ہم قوم

افراد سے نہایت مایوس ہوا۔ اسے عرب اتحاد کا خواب بھی

وہ سنبھل کر بولا۔

”حاسدین ہمیشہ یونہی جڑیں کاٹا کرتے ہیں۔

مجھے تمہاری حالت کے بارے میں جان کر بہت افسوس ہے۔ میری مانو تو بار بار بروسہ کے کسی حتمی فیصلے تک یہیں قیام کر لو۔ میں بھی بھرپور کوشش کروں گا کہ تم دونوں کے باہمی اختلافات ختم کروانے میں اپنا کردار ضرور ادا کروں۔“

حسن آغا کی اس پیشکش پر صالح خاموش ہو گیا۔ وہ اگلے دو روز تک حسن کے ساتھ ہی رہا۔ حسن نے اسے چارلس کا چھوڑا گیا سامان، توپیں، اس سے لوٹا گیا اثاثہ کا ذخیرہ دکھایا۔ بھوک و نقاہت کے باعث وہیں رہ جانے والے عیسائیوں اور جشن فتح منانے کے لیے آنے والی عیسائی خواتین کا نظارہ بھی ایک عبرت ناک منظر تھا۔ قیدیوں کے بارے میں حسن آغا کا بھی ارادہ تھا کہ مناسب وقت آنے پر انہیں اسکندریہ یا شام فروخت کر کے اچھے دام کھرے کر لیے جائیں۔

حسن آغا کی اس خوش اخلاقی اور مہمان نوازی سے صالح کو کچھ حد تک امید ہو چلی تھی کہ وہ بار بروسہ کو اس کی سنائی گئی کہانی پر قائل کر لے گا۔ اسی دوران حسن کو بار بروسہ کا پیغام موصول ہوا۔ اس نے سختی سے تاکید کی تھی کہ صالح کو بہر صورت اپنے پاس ہی مقیم رکھے۔ اگر بار بروسہ اگلے کچھ روز میں الجزائر نہ پہنچ سکا تو وہ اسے صالح کے بارے میں حتمی فیصلے سے آگاہ کر دے گا۔ صالح کی خوش قسمتی ہی تھی کہ ایک روز ساحل پر بار بروسہ کے دیرینہ ساتھی عبداللہ سے ملاقات ہو گئی۔ عبداللہ اس کے احسانات کی وجہ سے خاصا زیر بار تھا۔ وہ مضطرب سے انداز میں صالح کو کہنے لگا۔

”یہ تم نے کیا کر دیا استاد صالح؟ بار بروسہ کو اپنا مخالف کیوں بنالیا؟“

”وہ سب میرے خلاف ایک سازش تھی۔ حسن آغا اور میں مشترکہ طور پر اسے قائل کر لیں گے۔“ وہ اعتماد سے بولا۔

”کس بھرم میں جی رہے ہو استاد صالح؟“ اس نے اپنا سر پیٹا۔ ”تمہیں تو یہ بھی علم نہیں ہوگا کہ بار بروسہ نے حسن آغا کو ایک پیغام بھجوایا ہے کہ تمہیں بالکل ادھر ادھر نہ ہونے دیا جائے۔“

”مجھے واقعی کچھ علم نہیں۔“ صالح شپٹایا۔

”تمہارے لیے حالات بہت خطرناک صورت حال اختیار کرتے جا رہے ہیں استاد! درون خانہ اطلاعات دول تو تمہیں قیدی بنانے کے بعد قسطنطنیہ بھیجے جانے کا قوی امکان

صالح اس کے جواب اور انداز پر خاموش ہو گیا۔

”اب تم آئے ہو تو میری کچھ مدد ہی کر دو۔ چارلس اور اس کے ساتھی اپنا مال و اسباب یہاں چھوڑ کر فرار ہو گئے ہیں۔ میرے آدمی ان کی صفائی کر رہے ہیں۔ تم بھی ہاتھ بٹا دو۔“

حسن کی اس فرمائش پر صالح نے تھکاوٹ کے باوجود ہامی بھر لی۔

شام کے بعد حسن نے صالح کے لیے خیمے اور بستر کا بندوبست کر دیا۔ صالح نے اس دوران حسن آغا سے مزید گفتگو کی ذہن سازی کی ہوئی تھی۔ اس نے تمہید باندھتے ہوئے کہا۔

”چارلس جس قدر شکستگی سے بوجہ گیا ہے، ہم چاہیں تو اس پر حملہ کر کے نیست و نابود بھی کر سکتے ہیں۔ اسے فنا کرنے کا یہ بہترین موقع تھا۔“

”میرے پاس تو فی الحال اتنی بحری قوت نہیں۔ پھر موسم کی خرابی بھی تو الگ آزار بنی ہوئی ہے۔“ اس نے ٹالا۔

”اگر مجھے ڈیڑھ درجن کے قریب جہاز اور دو چار ہزار سپاہی مل جائیں تو میں یہ کام بہ آسانی انجام دے لوں گا۔“ صالح نے پیشکش کی۔

”اس موسم میں ایسا خطرہ مول لینے کا مشورہ نہیں دوں گا میں تمہیں۔ ذیلے تمہارے اپنے جہاز کہاں ہیں؟“

اس نے بظاہر عام سے انداز میں دریافت کیا۔

”میں براستہ شکستگی یہاں آیا ہوں۔ جہاز اب میرے پاس نہیں ہیں۔“

صالح کے جواب سے حسن آغا کے ہونٹوں پر معنی خیز تبسم جھلکا۔

”یعنی مجھے ملنے والی اطلاعات بالکل درست تھیں۔ تم نے عرب اتحاد قائم کرنے کے لیے بار بروسہ کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔“

”نہیں، ایسا کیسے ممکن ہے بھلا؟ میرے خلاف بڑی زبردست سازش کر کے بار بروسہ سے غلط بیانی کی گئی ہے۔ اصل معاملہ کچھ یوں تھا کہ تیونس کے عرب اپنے اتحاد سے عرب بحریہ تیار کرنے میں میری مدد چاہتے تھے لیکن مجھے اس دوران اندازہ ہو چکا تھا کہ اتنا سرمایہ ’محنت‘ اتحاد اور پھر جہاز سازی کے کارخانے جیسی جدوجہد ان کے بس کا روگ ہی نہیں۔“

وہ طے شدہ حکمت عملی کے تحت کہنے لگا۔

سنہریے اقوال

☆ ظالم کو معاف کر دینا مظلوموں پر ظلم ہے کیونکہ ظالم سانپ کی طرح ہوتا ہے جسے اگر چھوڑ دیا جائے تو وہ ضرور ڈستا ہے۔

☆ عادت اکثر ضرورت میں بدل جاتی ہے اس لیے بڑی عادتوں کو چھوڑ دینا ہی بہتر ہے۔

☆ اصل خوبصورتی فن کی ہونی چاہیے۔

☆ غافل نہ بیٹھ اور اس دنیائے فانی کے چند روزہ گھروندے سے دل نہ لگا۔

☆ دوست ایسے شخص کو بنانا چاہیے جس کا ظاہر و باطن ایک ہو۔

☆ بڑے ہونے میں بڑے دکھ ہیں۔ چھوٹوں کو یہ سختیاں نہیں۔ ستارے امن سے ہیں، کہن چاند سورج کے لیے ہے۔

☆ اصل بڑے وہ ہیں جو اپنے منہ سے نہیں کہتے کہ ہم بڑے ہیں۔ ہیرا کہتا ہے کہ میں ہیرا ہوں؟

☆ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ساس چاہتی ہے کہ اس کا بیٹا سو فیصد اس کا رہے اور بہو چاہتی ہے کہ اس کا شوہر سو فیصد اس کا رہے۔ اگر دونوں اپنی فیصد میں بڑی فراخ دلی سے کمی کر لیں تو مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔

☆ اگر کبھی اور کامیاب رہنا چاہتے ہو تو کل کا کام آج کر لو اور آج کا کام ابھی کر لو۔

(مرسلہ: ریاضِ بٹ۔ حسن ابدال)

ایک عرب مسلمان کو دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ صالح رئیس کو بھی اپنے دل میں ایک عجیب سی خلش محسوس ہو رہی تھی۔ بقا کی جلی خواہش اسے مسلمانوں کے بدترین دشمن کے در پر لے آئی تھی۔

تینوں ارکان کیتھی کو لیے خیمے میں داخل ہو گئے جہاں چارلس اور ڈوریا نے نوشی میں مگن تھے۔ چارلس، کیتھی کے بربری لباس کو دیکھ کر خاصا مشتعل ہو گیا۔ اس نے باربروسہ کی شان میں بالخصوص اور مسلمانوں کے لیے بالعموم دشنام طرازی کا آغاز کر دیا۔ کچھ ہی دیر بعد اس نے اپنے خدمت گار کو کاشرو کے پاس روانہ کر دیا تاکہ وہ اسے کیتھی کی آمد کی اطلاع دے سکے۔ وفد کے ارکان نے موقع دیکھ کر چارلس سے صالح رئیس نامی ایک عرب ملاح کا ذکر کر دیا۔ ڈوریا یہ نام سن کر حیرت سے اچھل ہی پڑا۔

”صالح رئیس! وہ یہاں کیسے آگیا؟ کہاں ہے اس

ہے۔ وہاں یقینی طور پر باربروسہ تمہارے خلاف مقدمہ غدار کی کا فیصلہ سنا دے گا۔ ایک اطلاع یہ بھی ہے کہ تمہیں سلطان سلیمان کے سپرد کر دیا جائے گا۔ علم ہوا ہے کہ وہ بہت ہی طیش زدہ ہے۔ بارہا ایک ہی عزم کا اظہار کر رہا ہے کہ عرب بحریہ کے قیام کی پاداش میں صالح رئیس کو عبرت کا نشان بنا دے گا۔“

صالح کو شدید خوف محسوس ہوا۔ اسے اپنے لیے کہیں کوئی امان نظر ہی نہیں آرہی تھی۔ بقا کے لیے اب کوئی فوری فیصلہ ناگزیر تھا۔ قدرت کو شاید اس کی حالت پر رحم آگیا۔ اسی روز بوجیہ میں مقیم چارلس کی جانب سے ایک تین رکنی وفد کی الجزائر آمد ہوئی۔ وہ اپنے ہمراہ ایک الگ ہی نوعیت کا مطالبہ لے کر آئے تھے۔ انہیں قیدی خواتین میں سے کیتھی نامی ایک ایسی لڑکی کی تلاش بھی جو اربوں کے جاگیر زادے کاشرو کی منظور نظر تھی۔ کاشرو نے حسن کو کیتھی کے عوض منہ مانگے دام دینے کی ہامی بھری تھی۔ حسن نے اپنے اہلکاروں سے قیدی خواتین میں منادی کروا کے کیتھی کی تلاش کا حکم دیا۔

اگلے نصف گھنٹے کے بعد بھی کیتھی کہیں سے برآمد نہ ہوئی تو وفد کے ارکان گھروں کی تلاشی کا اصرار کرنے لگے۔ وہ بردہ فروشوں کے بازار میں اپنے ہم وطنوں کی ارزاں ترین فروخت اور کمپری دیکھ کر اپنے جذبات بہ مشکل ضبط کیے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد اتنا علم ہوا کہ کیتھی کسی قبائلی کی تحویل میں ہے۔ حسن کی اس مصروفیت کے دوران صالح نے اس عیسائی وفد سے گفتگو کا ارادہ کر لیا۔ بھیا تک مستقبل کی دید نے اسے فوری فیصلے پر مجبور کیا۔ اسے اب سلامتی کا ایک ہی در نظر آرہا تھا کہ چارلس سے الحاق یا بحیرہ روم میں نئی حیثیت سے قزاقی کا آغاز کر دے۔ وہ وفد کے پاس گیا اور انہیں اپنا تعارف کروانے کے بعد چارلس سے ملاقات پر اصرار کرنے لگا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ چارلس کے لیے خاصا سودمند ثابت ہو سکتا ہے۔ وفد کے ارکان نے بے دلی سے ہامی بھری۔ اسی دوران کیتھی بھی ایک قبائلی سردار کے گھر سے برآمد ہو گئی۔ سردار نے منہ مانگی قیمت پر اسے عیسائیوں کے حوالے کر دیا۔

وفد کی روانگی کے بعد صالح نے کسی نہ کسی طور ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ ان اراکین کو پہلے تو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ صالح رئیس، چارلس کی گرفتاری کے لیے یہاں آیا ہے۔ اس کے شدید اصرار اور منت سماجت پر وہ اسے بے دلی سے چارلس کے خیمے تک لے آئے۔ وہاں موجود سبھی عیسائی

وقت؟“ اس نے مضطرب ہو کر دریا نہایت کیا۔
 ”باہر موجود اپنی طبیعت کا منتظر۔“ ایک رکن نے بتایا۔
 ”کون ہے یہ شخص؟ نام تو کہیں سنا ہوا لگ رہا ہے۔“
 چارلس نے شراب کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

”خیر الدین بار بروسہ کا ساتھی ہے اور اس کا کوئی بھی
 ساتھی معمولی نہیں ہوا کرتا۔“ وہ نرمی سے بولا۔

”خیر الدین..... سمندری پانیوں کا وہ عقاب کیسا
 ہے؟ اب تک تو تیز رفتاری سے دوڑتا تھک گیا ہوگا۔“

چارلس کی یہ بے سرو پا باتیں ڈوریا کے لیے نئی نہیں
 تھیں۔ الجزائر میں پڑنے والی افتاد کے بعد چارلس ذہنی
 طور پر خاصا غیر متوازن ہو چکا تھا۔ شراب نوشی میں کثرت
 کے ساتھ خوراک بھی بے اعتدال تھی۔ وہ اپنے امور سلطنت
 سے لاتعلقی ہو کر صرف بسیار خوری کی جانب مائل نظر آتا۔
 گھٹیا کامرض بھی شدت اختیار کر چکا تھا۔ طبیب اسے گوشت
 سے ہر ممکن پرہیز کی تلقین کرتے لیکن وہ تھا کہ خنزیر کے
 گوشت سے ہاتھ روک کے ہی نہ دیتا۔

چارلس کی ان باتوں اور دیگر گوں حالت کو تاسف
 سے دیکھتے ڈوریا، صالح کے پاس گیا اور اسے لیے خیمے
 کے اندر چلا آیا۔ چارلس نے اسے دیکھتے ہی ایک بار پھر
 بے معنی گفتگو کا آغاز کر دیا۔ صالح اس کی حالت اور انداز
 گفتگو دیکھ کر شدید حیران تھا۔ ڈوریا اسے لیے دوسرے
 خیمے میں چلا آیا۔

”تم یہاں جاسوسی کے لیے آئے ہو یا بار بروسہ نے
 تمہیں چارلس کی گرفتاری کے لیے بھیجا ہے؟“

”ایسا کچھ بھی نہیں۔ میرا الوقت باز بروسہ سے کوئی
 تعلق نہیں ہے۔ وہ ایشیائے کوچک کے کسی دور افتادہ مقام
 پر موسم کی تبدیلی کا منتظر ہے۔ میں نے اس سے علیحدگی
 اختیار کر لی ہے۔“ وہ پڑمردگی سے کہنے لگا۔

”ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ تم یقیناً کسی خاص مقصد کے تحت
 مجھ سے یہ جھوٹ بول رہے ہو۔“ ڈوریا بے یقینی سے بولا۔

”ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟ میرا بار بروسہ سے نظریاتی
 اختلاف ہو گیا تھا۔ میں اپنی قوم کے ساتھ ہونے والی
 نا انصافی برداشت نہیں کر سکا اس لیے عرب اتحاد کے درپے
 ہو گیا۔ میری بد قسمتی تھی کہ یہ کوشش آغاز میں ہی ناکام
 ہو گئی۔“

ڈوریا خاموشی سے اس کی گفتگو میں سچائی تلاشنے
 لگا۔ بار بروسہ ماضی میں پیری ویزا کے معرکے میں خود کو
 فروخت کرنے کی پیشکش سے اسے خاصی زک پہنچا چکا

تھا۔ ان دونوں کے درمیان مزید گفتگو کی ابتدا سے پہلے
 ہی چارلس کا ایک خصوصی اہلکار آیا اور غجالت میں کہنے لگا۔
 ”شہنشاہ معظم نے فوری طور پر سفر کی تیاری کا حکم دیا ہے۔“
 ”ایسی کیا افتاد آن پڑی ہے یہاں؟“ ڈوریا حیران ہوا۔
 ”انہیں صالح رئیس کو یہاں دیکھ کر تحفظات محسوس
 ہونے لگے ہیں کہ خیر الدین بار بروسہ کی آمد بھی کسی وقت ہی
 متوقع ہے۔ انہوں نے صالح کے بارے میں بھی یہی
 ہدایت کی ہے کہ وہ فوری طور پر الجزائر پہنچ جائے اور
 بار بروسہ کو مطلع کرے کہ اس سے مصالحت کی کوئی صورت
 نہیں نکل سکتی۔“

صالح یہ سن کر مایوس ہو گیا۔ وہ اپنے مدار سے ہٹ کر
 شدید ملال کا شکار تھا۔

”تم ہمارے ساتھ ہی بارسلونا چلو۔ وہاں پہنچ کر مزید
 گفتگو اور معاملات طے کریں گے۔“ ڈوریا نے پیشکش کی۔

صالح کے پاس سر تسلیم خم کر دینے کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔
 بارسلونا تک کا وہ سفر صالح کی زندگی کا انوکھا اور مشکل
 ترین دور تھا۔ ایک خلش اور احساس ندامت مسلسل دامن گیر
 رہی۔ ایک لغزش نے اسے کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا تھا۔
 جس عقاب آب کے ہمراہ وہ اپنے شکار پر جھپٹ کر اس کی
 بے بسی سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا، آج اسی عقاب آب سے
 بچاؤ کے لیے وہ بھی بزدلوں کی طرح فرار ہونے پر مجبور تھا۔
 یہ سلسلہ اب جانے کب تک جاری رہنا تھا۔

☆☆☆

خیر الدین بار بروسہ اپنے اس قریبی ساتھی کی
 بغاوت پر تاحال ملول تھا۔ اسے صالح کی قوم پرستی اور
 مفاد پسندی نے شدید دکھ پہنچا دیا تھا۔ الجزائر میں حالات
 بہتر ہونے کے بعد وہ رھوڑز سے قسطنطنیہ واپس چلا گیا۔
 کچھ وقت اور گزر تا تو وہ سمندری سفر سے گریز کرنے لگا۔
 بڑھتی عمر نے اب اسے ان چاہی پڑمردگی میں مبتلا کر رکھا
 تھا۔ وہ کسی بھی مہم کے لیے درگوت، پیالی پاشا اور صنعان کو
 ہدایات دے دیا کرتا۔ درگوت کی بہادری اور لگن سے
 اسے امید ہو چلی تھی کہ وہ اس کے ادھورے خوابوں کی
 تکمیل ضرور کرے گا۔

اگلا ڈیڑھ برس یونہی جمود اور پڑمردگی میں بیت
 گیا۔ ایک روز سلطان سلیمان اس سے ملاقات کے لیے چلا
 آیا۔ بار بروسہ نے خوشگوار حیرت اور بھرپور تپاک سے اس
 کا استقبال کیا۔ ابتدائی علیک سلیک اور اچھے دنوں کی
 بہترین یادیں دہرانے کے بعد سلطان کہنے لگا۔

”چارلس اب بحری جنگوں میں حصہ نہیں لیتا۔ حکومت کے لیے وہ اپنے بیٹے قلب کو تیار کر رہا ہے۔“

”موزی نے یقیناً اپنی جانشینی میں ایک موزی ہی تیار کیا ہوگا۔“ وہ نقاہت سے کہنے لگا۔

”ذویر یا اپنے متبادل کے طور پر جووانیکیو کو تیار کر رہا ہے۔“ سلطان نے ایک اور خبر دی۔

”بہادر لڑکا تھا۔ یقیناً بحری میدان میں خوب ناموری حاصل کرے گا۔“ اس نے کشادہ دلی سے اعتراف کیا۔

”فرانس کا بادشاہ فرانسس بھی انتقال کر گیا ہے۔“

”یعنی میرے سبھی مقابل آہستہ آہستہ اپنا وجود کھونے لگے ہیں۔“ وہ مسکرایا۔

”ہاں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم بھی خود پر بڑھاپا طاری کر کے اپنی پرواز ترک کر دو۔“ سلطان نے فوراً ٹوکا۔ ”تم اب بھی بھرپور توانا اور جوان ہو۔“

”جوانوں کو بھی تو مسلسل جدوجہد کے بعد آرام کی ضرورت پیش آتی جاتی ہے۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ میں بھی ذرا سستائے بیٹھ گیا ہوں۔“

باربروسہ کا انداز ایسا دو ٹوک تھا کہ سلطان مزید کچھ بھی نہ کہہ سکا۔

”تمہارے اس وقفہ آرام میں بحری کمان کون سنبھالے گا؟“ اس نے ایک توقف کے بعد دریافت کیا۔

”درگوت! اس کام کے لیے اس سے بہتر شخص کوئی بھی نہیں۔“ وہ برملا کہہ اٹھا۔ ”وہ جہاز سازی سے متعلق ایک ادنیٰ مزدور سے لے کر اعلیٰ کارنگریک کی خصوصیات کا مالک ہے۔ قباحت صرف ایک ہے کہ کسی بھی شہر یا قلعے پر حملے کی صورت میں وہ بھائی عروج کی طرح احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے۔ اس کی بہادری، دور اندیشی اور مصلحت پسندی پر غالب آجاتی ہے۔ درگوت کی یہی شخصی کمزوری مجھے مایوس کر دیا کرتی ہے۔“

اس کے بعد سلطان نے خیر الدین کے ہمراہ جہاز سازی کے کارخانے کا معائنہ بھی کیا۔ مختلف امور پر گفتگو بھی جاری رہی۔ سلطان نے تجویز دی کہ درگوت کو امیر البحر جبکہ صنعان کو اس کا مشیر خاص مقرر کر دیا جائے۔ پیالی پاشا بری امور سنبھال لے گا۔

”مناسب خیال ہے لیکن مجھے درگوت کی جانب سے شبہ ہے کہ وہ سلطان کے سوا کسی کی برتری اور حکم کو گوارا نہیں کرے گا۔“ اس نے خدشہ ظاہر کیا۔

”وہ بحری امور میں مختار کل ہوگا۔ اس کے معاملات

اور فیصلوں میں کوئی بھی دخل اندازی نہیں کرے گا۔“ سلطان نے فوراً کہا۔

باربروسہ خاموش ہو گیا۔ ان دنوں اس کے مزاج پر خاموشی اور بے نیازی غالب رہنے لگی تھی۔ صالح رئیس کی بے وفائی بھی تاحال دل کا ناسور بنی ہوئی تھی۔ اس کی قوم برستی نے باربروسہ کے ذہن میں ایک دائمی غلش پیدا کر دی تھی۔ جس کام اور خواہش کی تکمیل میں اس کا بھائی عروج پاشا اپنی جان کی بازی ہار گیا تھا، خیر الدین بھی بھرپور کوشش کے بعد اس مرض کا خاتمہ نہیں کر پایا تھا۔ صالح کے دل و دماغ پر غالب آنے والی قوم پرستی نے یہ بات ثابت کر دی تھی کہ عروج پاشا کی طرح اس کا سفر بھی رانگاں ہی رہا ہے۔ عرب اور غیر عرب کا یہ تنازعہ سلطنت عثمانیہ کو دیکھنے کی طرح کھوکھلا کر تادکھائی دے رہا تھا۔

”صالح رئیس کے بارے میں کوئی خبر ملی؟“ سلطان کے استفسار نے اس کے دل میں چٹکی سی بھری۔

”بارسلونا پہنچ چکا ہے وہ۔ دکھ تو یہ ہے کہ اب اس سے دشمن کی صف میں سامنا ہوگا۔“ باربروسہ نے گہری سانس لی۔

”ایک صالح رئیس ہی کیا؟ تیونس بھر اسی مرض میں مبتلا ہے۔ وہ آج بھی سلطنت عثمانیہ کے بجائے اندلس کے عیسائیوں کو ترجیح دیتے ہیں لیکن مجھے امید ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ یہ مسائل ختم ہو جائیں گے۔“ سلطان پُر امید تھا۔

باربروسہ نے ایک بار پھر خاموشی میں ہی عافیت سمجھی۔ اس کے دل و دماغ میں ایک ہی خدشہ غالب تھا کہ دشمن نے ان کی کمزوری بھانپ لی ہے اور اب وہ اسی میدان میں کھل کھیلے ہوئے دلوں میں دلی تعصب کی چنگاریوں کو مزید ہوا دیتا رہے گا۔ عالم اسلام کو اس ناسور سے پاک کرنے کی خواہش تاحال تشنه تھی اور نہ جانے کب تک یونہی تشنه ہی رہتی۔ سلطان اس کی حالت دیکھ کر مایوسی کا شکار ہونے لگا۔ اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ زندگی بھر مختلف جنگوں میں فتح یاب ہونے والا باربروسہ اپنی داخلی جنگ کے سامنے کھٹنے ٹیکنے لگا ہے۔ مسلم دنیا کا باہمی انتشار اس کے وجود سے توانائی چھین چکا ہے۔

سلطان سے ملاقات کے کچھ ہی روز بعد باربروسہ طویل ہو گیا۔ درگوت اور صنعان ہمہ وقت اس کی تیمارداری میں مگن رہتے۔

”بحریہ کی کمان اب تم نے سنبھالنا ہے درگوت! دشمن

کو کبھی خود پر حاوی ہونے کا موقع نہ دینا۔" اس نے شفقت سے درگوت کو مخاطب کیا۔
 "آپ راہنمائی کے لیے میرے ساتھ ہوں گے تو میں کوئی غلطی کیسے کر سکوں گا بھلا؟" درگوت نے اس سے زیادہ خود کو دلاسا دیا۔

بار بروسہ اب صنعان کی جانب متوجہ ہو چکا تھا۔
 "درگوت کی بہر صورت اطاعت کرتے رہنا۔"
 "آپ کا حکم میرے لیے ہر بات سے اہم ہے امیرا میری جانب سے آپ کو شکایت کا بھی کوئی موقع نہیں ملے گا۔" اس نے خلوص سے جواب دیا۔
 "صالح رئیس کو ایک بار اس کے اعمال کی سیاہی ضرور دکھانا۔ اسے ایک بار ضرور احساس دلانا کہ میں اس پر شدید اعتبار کرتا تھا۔" وہ دکھ سے کہنے لگا۔

"ہم دنیا کے آخری کونے تک اس کا تعاقب کریں گے امیر! بہت جلد آپ کے قدموں میں ڈھیر ہوگا وہ۔"
 درگوت نے عزم جتایا۔

"میری تدفین شاخ زریں" کے قریب کروانا۔ میرا مقبرہ شاخ زریں میں کھڑے جہازوں سے نظر آنا چاہیے۔"
 بار بروسہ کی اس فرمائش اور آنکھوں میں لمحہ بہ لمحہ بھتی جوت نے انہیں آبدیدہ کر دیا۔ دلا سے امیدیں اور علاج کچھ بھی کارگر نہ ہوا اور ایک روز بار بروسہ اپنے ادھورے خوابوں کی غلط سیٹھ آخری سفر پر روانہ ہو گیا۔ سلطان نے اس کی قبر پر "مات امیر الجمر" کندہ کروایا اور یہ فرمان بھی جاری کیا کہ ہر ترکی بیڑا کسی بھی مہم پر روانگی سے قبل بار بروسہ کی قبر پر فاتحہ خوانی کرے اور اس کے بعد ایک توپ کی سلامی بھی دی جائے۔

☆☆☆

مریم نے اپنی گود میں خوابیدہ بچے کی پیشانی پر محبت بھرا بوسہ ثبت کیا اور اسے بستر پر ایک جانب لٹا دیا۔ اس کی آنکھوں میں غمی کی واضح جھلک تھی۔ اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے طاق میں رکھا قرآن پاک اٹھایا اور کپکپاتے لبوں سے تلاوت کرنے لگی۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ منذر بھی وہیں چلا آیا۔ اس کے چہرے پر بھی خاصی سنجیدگی اور آرزو کی ثبت تھی۔

"دادا دسو گیا ہے کیا؟" اس نے خوابیدہ بچے کو دیکھ کر پرسش کی۔
 "بہن! تذکرہ دریافت کیا۔ بچے کا نام ہی نہیں نقوش اور خوشبو بھی اسے شہید بچے کی یاد دلایا کرتا۔ بچے کی کمی مزید کھلتی۔"

"جی ہاں۔ آپ نے کھانا ابھی کھانا ہے تو میں نکالے دیتی ہوں۔" مریم نے محبت سے پوچھا۔
 "نہیں۔ تم تلاوت جاری رکھو۔ مجھے ابھی کھانے کی ہاٹل تمنا نہیں۔" منذر نے افسردگی سے جواب دیا۔
 مریم نے مزید کچھ دیر تلاوت جاری رکھی اور پھر منذر کے پاس آئی۔

"امیر کی کمی کیسے پوری ہو سکے گی؟" اس نے آرزوگی سے بار بروسہ کی رحلت کی جانب اشارہ کیا۔
 "یہ کمی تو خیر کبھی بھی پوری نہیں ہوگی۔" وہ بھی دلیر تھا۔
 "ان کے بہت سے خواب ادھورے رہ گئے۔"
 مریم کو غلط محسوس ہوئی۔

"ہاں، وہ بھی عروج پاشا کی طرح مسلم اتحاد کو مضبوط نہ کر سکا۔"

"صالح رئیس کی دغا بازی ان کے دل کا ناسور بن گئی۔" مریم تاسف سے کہنے لگی۔

"صالح رئیس اپنے اعمال کی مزا ضرور بھگتے گا۔ وہ چارلس اور ڈوریا کے پاس کبھی مطمئن نہیں رہ سکے گا۔" وہ تلخ ہوا۔

"کیا درگوت امیر بار بروسہ کا حقیقی جانشین ثابت ہو سکے گا؟" مریم کو کئی تحفظات لاحق تھے۔

"مجھے قوی امید ہے ایسا ہی ہوگا۔ صرف وہی امیر کے ادھورے خوابوں کی تکمیل کر سکتا ہے۔ وہ بار بروسہ کے ہر مجرم کو عبرت کا نشان بنائے گا۔ چشم فلک ایک نئی داستان رقم ہوتے دیکھے گی۔ اس چشم نے اب تک عقاب آب کی پرواز اور شکار دیکھے تھے۔ اب وہ درگوت کی ہمت و بہادری کی گواہ بنے گی۔"

"پروردگار! امیر کو ہر کروٹ جنت نصیب فرمائے۔"
 مریم نے خلوص سے دعا کی۔

"آمین..... اور پروردگار عالم اسلام کو خواب غفلت سے بیدار کر کے دائمی اتحاد نصیب فرمائے۔" منذر بھی دعا گو تھا۔

مریم کی آنکھوں سے آنسو مزید تیزی سے بہنے لگے۔ اس قدر شکستہ حالی کے باوجود نئے خوابوں نے آنکھوں کے درپچوں پر دوبارہ دستک کا آغاز کر دیا تھا۔

(ختم شد)

ماخذات:

سلیمان عالی شان... تاریخ افریقا...
 تاریخ الجزائر... خلافت الدلس